کتاب و سنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:12 Issue: 3 March 2019

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

درسِ قرآن

ریا کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ　بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (سورۃ الکھف)

ترجمہ: آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تو تم سب کی طرح بشر ہوں (نہ خدائی کا دعوے دار ہوں نہ فرشتہ ہونے کا ہاں) میرے پاس (اللہ کی طرف سے) وحی آتی ہے (اور) جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور اس کا محبوب بننا چاہے) تو (شریعت کے موافق) نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تشریح: سورۂ کہف کی آخری آیت میں وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا کا شانِ نزول جو روایات حدیث میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرک سے مراد شرک خفی یعنی ریاء ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے، اور اس کو صحیح علی شرط الشیخین فرمایا ہے، روایت یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ لوگوں میں اس کی بہادری اور غازیانہ عمل پہچانا جائے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں ایسی نیت کرنے سے جہاد کا ثواب نہیں ملتا)

اور ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الاخلاص میں طاؤسؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں بعض اوقات کسی نیک کام کے لئے یا عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا قصد اس سے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا، یہاں تک کہ یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اورابونعیم اورتاریخ ابن عساکر میں بروایت ابن عباسؓ لکھا ہے کہ جندب بن زُبیر صحابیؓ جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے ان کی تعریف وثنا کررہے ہیں تو اس سے ان کو خوشی ہوتی اوراپنے اس عمل کواورزیادہ کردیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ ان تمام روایات کا یہی ہے کہ اس آیت میں جس شرک سے منع کیا گیا ہے وہ ریاء کاری کا شرک خفی ہے اور یہ کہ عمل اگرچہ اللہ ہی کے لئے ہومگراس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض شہرت ووجاہت کی بھی شامل ہوتو یہ بھی ایک قسم کا شرک خفی ہے، جو انسان کے عمل کو ضائع بلکہ مضرت رساں بنادیتا ہے۔

لیکن بعض دوسری احادیث صحیحہ سے بظاہراس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، مثلاً ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات اپنے گھر کے اندر اپنی جائے نماز پر (نماز میں مشغول) ہوتا ہوں، اچانک کوئی آدمی آجائے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مجھے اس حال میں دیکھا (تو کیا یہ ریاء ہوگئی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہؓ خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں اس وقت دواجر ملتے ہیں، ایک خفیہ عمل کا جو پہلے سے کررہی تھی دوسرا اعلانیہ عمل کا جو اس آدمی کے آجانے کے بعد ہوگیا۔ (یہ ریا نہیں)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذرغفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمایئے کہ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، پھر لوگوں کو سنے کہ وہ اس عمل کی تعریف ومدح کررہے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تلک عاجل بشری المؤمن یعنی یہ تو مومن کے لئے نقد بشارت ہے (کہ اس کا عمل اللہ کے نزدیک قبول ہوا، اس نے اپنے بندوں کی زبانوں سے اس کی تعریف کرادی)

تفسیر مظہری میں ان دونوں قسم کی روایتوں میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اس کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ پہلی روایات جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی اس صورت میں ہیں جب کہ انسان اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے ساتھ مخلوق کی رضاجوئی یا اپنی شہرت ووجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے، یہاں تک کہ لوگوں کی تعریف کرنے پر اپنے اس عمل کو اور بڑھادے یہ بلاشبہ ریا اور شرکِ خفی ہے۔

اور بعد کی روایات ترمذی اور مسلم کی اس صورت سے متعلق ہیں جب کہ اس نے عمل خالص اللہ کے لئے کیا ہو لوگوں میں اس کی شہرت یا ان کی مدح وثناء کی طرف کوئی التفات نہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مشہور کردیں اور لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف جاری فرمادیں تو اس کا ریا سے کوئی تعلق نہیں، یہ مومن کے لئے نقد بشارت (قبولِ عمل کی) ہے۔

اللہ سے اعلانِ جنگ!

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

عن ابی هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله ﷺ إن الله تعالىٰ قَالَ : مَنْ عَادىٰ لِي وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحرْبِ۔(الجامع الصحیح للبخاری)

ترجمہ: سیّدنا حضرت ابوہریرہؓ کے واسطے سے ایک حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میری جانب سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

تشریح: یہ حدیث اور اس کی تعلیم تمام انسانوں کے لئے بالعموم اور اہل اسلام کے لئے بالخصوص بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، اور رہائی کی سینکڑوں تدبیریں کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے، دوسروں سے بھی دعائیں کراتا ہے مگر مصیبت برقرار رہتی ہے، اسے خبر نہیں ہوتی ہے کہ یہ بلا اس کے سر پر کیوں مسلط ہوئی ہے، مصائب بتا کر نہیں آتے کہ ان کا تسلط فلاں معصیت اور فلاں جرم کی بنا پر ہے، اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے کسی ولی کی عداوت ہوتی ہے، اس کی غیبت اور آبروریزی کرتا ہے، اسے ستاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ خدا کے اعلانِ جنگ کے خطرہ میں گرفتار ہوتا ہے، اور جس کی لڑائی خدا سے ہو، اس کو کون سی تدبیر بچا سکتی ہے۔ أعاذنا الله منه

اگر کوئی فرد کسی ایک ولی سے عداوت میں مبتلا ہوتا ہے، تو خدا کا قہر اس ایک فرد کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی جماعت، کوئی معاشرہ، کوئی گروہ کسی ایک یا چند اولیاء اللہ سے بغض رکھتا ہے، تو وہ پوری جماعت، پورا معاشرہ اور پورا گروہ اس قہر وحرب کی زَد میں آجاتا ہے۔ مولانا روم نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ؎ ہیچ قومے را خدا رُسوانہ کرد تا دلِ صاحب دلے نالد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رُسوا نہیں کرتے، جب تک کسی صاحب دل کا دل اس سے نہیں دکھتا۔

تاریخ کے اَوراق اور انسانی تجربات اس حدیث کی صداقت کی گواہی سے لبریز ہیں، جب اور جہاں کسی اللہ کے ولی کا دل دکھایا گیا ہے، قہر خداوندی کے شرارے وہاں برسے ہیں، جب تک یہ نہیں ہوتا قومیں کفر وشرک کے باوجود ایک مدت تک باقی رہتی ہیں، جو قومیں انبیاء کرام سے ٹکرائیں ان کا حشر کیا ہوا؟ قرآن کریم میں ان کے احوال پڑھ لیجئے، انبیاء کرام یقینی طور اللہ کے ولی ہیں، انبیاء کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ولایت گو اس درجہ کی یقینی نہ ہو، لیکن انبیاء کرام کے بتائے ہوئے علامات سے انھیں پہچانا جاسکتا ہے۔

انسان ہلاکتوں سے بچنے کی حتی الامکان احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے، اپنے جانی اور مالی نقصان سے ہر شخص ڈرتا ہے، کون چاہتا ہے کہ اسے کسی طرح کا ضرر لاحق ہو، پھر جہاں اور تدبیریں کی جاتی ہیں، امراض اور وباؤں کے لئے پیشگی ٹیکے لگواتے ہیں، وہیں اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا کہ اللہ کے ولیوں کی عداوت اور ان کی ایذا رسانی سے خود کو لوگ بچائیں، عجیب بدقسمتی ہے کہ ایک شخص اپنی ہستی کو مٹا کر، اپنی شخصیت کو مٹا کر، اللہ ورسول کی تعلیمات پر خود کو قربان کر کے ”حیاتِ طیبہ“ حاصل کرتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور دوسرے افراد اس کا مذاق اُڑا کر، اس کی تذلیل کر کے، اس سے عداوت کر کے اللہ کے قہر وغضب میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ تباہ ہوجاتے ہیں، عجیب عجیب لاینحل مصیبتوں، ذلتوں اور بلاؤں میں ڈوبے جاتے ہیں، ایک کو دیکھ کر دوسرے کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، مگر جیسے بھیڑوں کا ریوڑ ہو کہ ایک کنویں میں گرتی ہے، تو دوسرے کا قدم رکتا نہیں، وہ اسی میں جا پڑتی ہیں۔

ہاں یہ سوال ہے کہ اللہ کا ولی کون ہے؟ تو شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسئلہ کو ناصاف نہیں چھوڑا ہے، ہر ایک کے حدود وعلامات مقرر فرمادیئے ہیں، آدمی ذرا تامل کرے تو بات بالکل واضح نظر آتی ہے۔

صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح کے ذیل میں ولی کی تعریف یہ کی ہے: المراد بولی اللہ العالم باللّٰہ المواظب علی طاعتہ المخلص فی عبادتہ۔ اللہ کا ولی وہ ہے، جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو، ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس کی عبادت میں مخلص ہو۔ یہ اللہ کے ولی کی تعریف بھی ہے، اور اس کے علامات کا بیان بھی ہے، جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگی، وہ ہر حال میں اللہ سے راضی ہوگا، اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے گا، اسے دیکھ کر، اس کی صحبت میں بیٹھ کر اللہ یاد آئے گا، اللہ کی اطاعت کا ظاہراً بھی پابند ہوگا اور باطناً بھی، اور یہی اس کا حال اور مزاج ہوگا، اس کا دلی جذبہ اور رُجحان اللہ کی اطاعت ہی کا ہوگا اور پھر اس کی عبادت کا منشاء کوئی غرضِ دنیاوی یا لذتِ نفسانی نہ ہوگا، بلکہ محض اللہ کے لئے وہ عبادت کرتا ہوگا، جس کے یہ احوال ہوں، ظن غالب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہوگا، اس کی عداوت ضرور مہلک ہوگی۔

پیش گفتار

ہر جمعہ کو بعد نمازِ عصر مدیرِ محترم کی اصلاحی مجلس ہوتی ہے، کبھی کتاب سناتے ہیں، کبھی نصیحت کرتے ہیں، ۱۵؍فروری ۱۹ء جمعہ کو کتاب سنانا شروع کئے مگر موجودہ دور میں علماء کے اندر تحمل کی کمی اور دینی کام کرنے والوں کے درمیان تعصُّب وتنگ نظری کے حالات سے متأثر ہوکر بات اس کی اصلاح کی طرف چل پڑی، میں نے ریکارڈ کی مدد سے مرتب کر کے ہدیۂ ناظرین کرنا مناسب سمجھا، چناں چہ حضرت والا کی نظرِ ثانی کے بعد پیشِ خدمت ہے۔ از: مُرتب غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہٖ نستعین

حیاۃ المسلمین ایک مختصر سا رسالہ ہے جو حضرت تھانویؒ نے ایک ایسے زمانے میں مُرتب فرمایا تھا جس زمانے میں عام مسلمانوں کے اندر دین کا علم ختم ہوگیا تھا اور جہالت عام ہوگئی تھی، حضرت تھانویؒ عالم تھے مفسر تھے مجدد تھے، اللہ نے ان کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا، اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ اس رسالے کے لکھنے میں جتنی زحمت ہوئی کسی اور کتاب کے لکھنے میں نہیں ہوئی، اس لئے کہ یہ رسالہ وہ عوام کے لئے لکھنا چاہتے تھے، مسودہ بناتے تھے اُسے مشکل سمجھ کر پھاڑ دیتے تھے اور دوسرا اس سے آسان لکھتے تھے، اس طرح ایک ایک فصل کر کے ۲۵ فصلیں اس رسالے میں لکھی ہیں، اور ہر فصل کا نام روح رکھا ہے کیوں کہ کتاب کا نام حیٰوۃ المسلمین ہے اور حیات روح سے ہوتی ہے، یہ رسالہ ہر خاص وعام مسلمان کو پڑھنا چاہیے، اپنے گھر کے لوگ پڑھ نہیں پاتے تو ہر فصل اور ہر روح کو پڑھ کر اس کا خلاصہ ان کے سامنے سمجھا دینا چاہیئے تاکہ وہ روح ان کے اندر پیدا ہوجائے جب سب روحیں پیدا ہوجائیں گی تو دین میں زندگی آئے گی، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ روح کی سونسمیں ہیں، اور جب آدمی سوجاتا ہے ننانوے اللہ کے یہاں چلی جاتی ہیں اور وہ ایک روح پر جیتا ہے جتنی دیر بھی جیتا ہے، اسی لئے حضور علیہ السلام سوتے وقت کی دعا میں فرماتے تھے ان ارسلتھا فاحفظھا اگر آپ واپس بھیجیں تو ایسی حفاظت کریں جیسے اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ یہ روح کسی معصیت میں کسی گناہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، ان امسکتھا فاغفرلھا اور اگر آپ وہیں روک لیں تو مغفرت کردیں، بخشش کردیں یعنی آدمی جب سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو باتوں میں سے ایک کا فیصلہ فرماتا ہے، یا وہ ایک فی صد روح جو جسم میں

رہ گئی ہے اُسے بھی بلالیا جائے، یا نناوے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے واپس بھیج دیا جائے، اس لئے آپ دونوں احتمالوں کے مطابق دعا کرلیا کرتے تھے، یہ حضور علیہ السلام کی عبدیت ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی عبدیت کو ہم لوگوں نے سمجھا ہی نہیں، اگر سمجھے ہوتے تو ہم بندے ہوتے، بندے بننا کس کو کہتے ہیں؟ کسی ہستی کو اپنا ایسا مالک مان لینا کہ ہر لمحہ اس کی خوشی اور اس کی رضا کی فکر آدمی کو بے چین رکھے، ہمارا تو مالک متعین ہے، بڑا مہربان ہے محسن ہے، جب تک حضور علیہ السلام جیسی عبدیت ہمارے اندر پیدا نہ ہو ہم بندے نہیں بن سکتے، بہرحال میں عرض کررہا تھا کہ یہ کتاب یہ حیوٰۃ المسلمین سب کو پڑھنا چاہیئے اور سمجھ کر پڑھنا چاہیئے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نے جب دعوت کا کام شروع فرمایا تھا تو اس کے لئے وہ کوئی نصاب بنانا چاہتے تھے مگر نہیں بنا سکے، حضرت مولانا علی میاں ؒ کو لکھا کہ "مجھے فکر ہے کہ اس کا کوئی نصاب بن جائے، جب اس کام کی ترتیب چل پڑے گی تو مجھے آپ جیسے عالموں کی ضرورت ہے کہ میں اس نصاب کو مرتب کروں" لیکن اُس وقت وہ عوام الناس کو کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھنے کے لئے بتاتے تھے، اُن کے ہر ملفوظ میں جزاء الاعمال اور حکایاتِ صحابہؓ بھی شامل ہوتے تھے، ''جزاء الاعمال'' بھی حضرت تھانوی ؒ کے رسالوں میں سے ایک اہم اصلاحی رسالہ ہے، اس میں نیکیوں کا اچھا بدلہ اور برائیوں کا بُرا بدلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا گیا ہے، اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بہت جلدی آدمی کے اندر نیکی کرنے کا شوق اور بُرائی چھوڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس رسالے میں نیکی کے فوائد اور گناہوں کے نقصانات بھی بتائے گئے ہیں، اور حکایاتِ صحابہ میں صحابہ کرامؓ کے واقعات ہیں، ان واقعات میں ایک قوت ہے، ایمان کو تازہ کرنے کی صلاحیت ہے، صحابہؓ کے حالات ایمان سے بھرپور اور معمور ہیں، اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ طریق تو میرا ہو اور تعلیمات مولانا تھانوی ؒ کی ہوں، واقعی حضرت تھانویؒ نے امت کی صلاح وفلاح کے لئے ایسے جامع رسائل مرتب فرمادیئے تھے جس سے امت کے اندر ایمان ویقین کے پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ اعمال واخلاق بھی درست ہوں، اور معاملات ومعاشرت بھی صحیح ہوں، حضرت حکیم الامتؒ بھی ایک مجدد تھے، ہر مجدد کا ایک وظیفہ ہوتا ہے تو انہوں نے معاملات ومعاشرت کے شعبے کو زندہ کرنے کا تجدیدی کام کیا ہے، کیوں کہ ان کے دور میں معاملات ومعاشرت سے اہلِ دین بھی بے خبر تھے، اور جو باخبر تھے وہ عمل نہیں کرتے تھے، اس لئے انہوں نے بالخصوص اس پر توجہ ڈالی۔

جیسے حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے دیکھا کہ بالخصوص دین داروں میں منافقت یعنی دوغلا پن بہت چل رہا ہے، اس لئے ان کی زندگی کا وظیفہ اور گفتگو کا موضوع منافقت اور اخلاص تھا، حضرتؒ ہمیشہ اخلاص و

منافقت پر گفتگو کرتے تھے، وصیۃ ااالاحسان وصیۃ الاخلاص جوان کے رسالے ہیں وہ سب اخلاص کی حقیقت بتاتے تھے اور جو حضرت کے پاس تربیت کے لئے آتے تھے تو وہ اس پر کڑی نظر رکھتے تھے مخلص ہے کہ منافق؟ خوب اچھا پرکھتے تھے بہت تجربے کار تھے۔

ہمارے اس علاقۂ آندھرا پردیش کے سابق امیر حضرت نعیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تھے، بسا بزرگوں میں سے تھے، نہایت صاحبِ تقویٰ اور اللہ والے تھے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی وصیت اور نصیحت کی روشنی میں انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا پڑھا تھا کہ شاید ہی کسی نے اتنا پڑھا ہو، ان کی گھر کی لائبریری میں اکثر کتابیں حضرت تھانویؒ ہی کی رکھی ہوتی تھیں، اسی کو پڑھتے تھے اور اسی وجہ سے بہت اعتدال اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ کام کرتے تھے، وہ ایک دفعہ مسجد اکبری میں تشریف لائے تو میں چاء پانی کے لئے دفتر میں بٹھایا تھا، اس وقت حضرت نعیم اللہ خان صاحبؒ نے یہ بات بتائی تھی کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں تین مرتبہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کو اس کام کی دعوت دینے کے لئے گیا، مگر تینوں مرتبہ قریب تھا کہ میں اپنا کام چھوڑ کے کانگریس کی مہم میں لگ جاتا، اس لئے کہ حضرت مدنیؒ مسلمانوں کی سماجی وسیاسی پوزیشن بنانے کو بھی دین کا بڑا کام سمجھتے تھے اور اس کو قرآن حدیث سے موکد اور مضبوط کرتے تھے۔

انہوں نے ہی سنایا تھا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ کے پاس لکھنؤ تشریف لے گئے، ان کو اللہ تعالیٰ نے عظمت صحابہؓ کا مجدد بنا کر پیدا کیا تھا ان کا کام یہی تھا کہ وہ عظمت صحابہؓ کو لوگوں کے دلوں میں پیدا کریں اور اہل السنت کے عقیدوں پر ان کو جمائیں، اس لئے ان کو امام اہل سنت کا خطاب ملا، اس کے لئے انہوں نے بڑی قربانیاں دیں، یہاں تک کہ لکھنؤ میں شیعوں کو اپنے حد تک ہی رہنے پر مجبور کردیا، ایسے حالات امام اہل سنت نے بنائے ورنہ اس سے پہلے اودھ وغیرہ کے جو نواب تھے وہ سب شیعہ تھے اور سنیوں پر انہیں کا اثر پڑا ہوا تھا جیسے ہمارے دکن کے علاقے میں نظام صاحب کے کچھ دنوں کے لیے شیعہ بن جانے کا اثر اب تک سنی بھگت رہے ہیں، تو امام اہل السنۃ سے لکھنؤ میں اللہ نے ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ کا کام لیا تھا، اور پھر اس کا اثر سارے ہندوستان پر پڑا، تو مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت اس کام کے لئے دعا فرمادیجئے، وہ بڑے بزرگ آدمی تھے انہوں نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور کہا: اے اللہ! ہر مسلمان کو شیعوں کی حقیقت سمجھنے اور سنیوں کا دفاع کرنے کی توفیق عطا فرما، دعا ختم ہوگئی، مولانا نے پھر کہا کہ حضرت! اس کام کے لئے بھی دعا فرمادیجئے، پھر ہاتھ اُٹھائے اور وہی دعا کی، پھر تیسرے دفعے ہاتھ اُٹھائے اور یہی دعا کی۔ مولاناؒ جب باہر آگئے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ حضرت ردِ شیعیت میں ڈوبے ہوئے ہیں،

اللہ نے ان کو اس کام پر لگا دیا ہے۔

یہ ہوتا ہے حسنِ اخلاق کا نتیجہ کہ بزرگوں نے اپنے اپنے میدانوں میں کام کرتے ہوئے دوسرے میدانوں میں کام کرنے والوں پر کبھی کوئی ایسا تبصرہ نہیں کیا جس سے ان کی اہمیت گھٹے، اللہ کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے اس کام کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے، پھر اس کی ایک خاص کیفیت ہو جاتی ہے، اس کو ہم کہتے ہیں رنگ میں رنگ جانا، تو ان کی نظر وہی دیکھتی ہے، ان کی زبان وہی بولتی ہے، ان کا ذہن وہی سوچتا ہے، اس حد تک ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ایسے نہ ہوں تو کام ہی نہیں چلے گا، کام چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا جذبہ اور غلبہ دے دیا ہے، لیکن اس کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ یہی کام ہے، یہی جہاں آیا وہاں پر فساد ہوا، اور وہیں پر آدمی صراطِ مستقیم سے ہٹ گیا؛ حضرت محی السنہؒ اکثر یہ بات فرماتے تھے کہ ''دیکھو بھئی! امت میں جتنا فساد ہے وہ ''یہی'' کہنے کی وجہ سے ہے ''یہ بھی'' کہو' ایک نقطے کی وجہ سے امت لڑ رہی ہے، مٹ رہی ہے، یہ بھی ایک ضروری کام ہے، وہ بھی ایک ضروری کام ہے۔ علماء کبھی کسی کام کو ''یہی'' نہیں کہتے، اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب دین ہی کے کام کئے ہیں تبھی تو دین میں وہ کام دین کہلائے، اگر ہمارے نبی نہ کرتے تو وہ کام دین ہی کیسے کہلاتے؟۔

ایک ہوتا ہے تعصب اور ایک ہوتا ہے تصلب، تعصب کے معنیٰ ہیں ناحق زبردستی کرنا، اصرار کرنا، اور تصلُّب کے معنیٰ ہیں حق پر پختگی سے جمنا، کسی سے متاثر نہ ہونا، علماء خصوصاً علمائے دیوبند کی شان تصلُّب ہے، پختگی ہے وہ کسی بات کے حق ہونے پر جمتے ہیں تو پہلے سوچتے ہیں، سو دفعہ سوچتے ہیں بار بار سوچتے ہیں پھر اس کے بعد قلم اٹھاتے ہیں یا زبان کھولتے ہیں پھر جمے رہتے ہیں، کیوں؟ اس واسطے کہ حق ثابت ہو گیا، اس لیے حق ثابت ہونے کے بعد حق بولنا اور اس پر جمنا تصلُّب ہے اور تصلُّب ہی علمائے دیوبند کی شان ہے، یہ لوگ تعصب سے کام نہیں لیتے، آج میڈیا پر علماء دیوبند کی کتنی تذلیل وتوہین کی جارہی ہے لیکن الحمد للہ وہ دوسروں کی تذلیل وتوہین نہیں کر رہے ہیں، اس لئے کہ ان میں تصلُّب ہے تعصب نہیں ہے، وہ دوسروں کے اچھے کام کے ہمیشہ معترف رہتے ہیں، بلکہ جن لوگوں پر تنقید کی، رد کیا اُن کے بھی اچھے کاموں کی تعریف کی، مگر چوں کہ اپنے کام اور اپنے موقف پر مطمئن ہیں، اس لئے اسی میں لگے ہوئے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے کے کام کا سرے سے اعتراف ہی نہ ہو، یا دین کے دوسرے کاموں کو دین نہ سمجھا جائے، دین کے بہت شعبے ہیں، ہر شعبے کی خدمت دین ہی کا کام ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ بس جو کام میں کر رہا ہوں ''وہی ایک کام ہے یا یہی ایک کام ہے'' اس کو تعصب کہتے ہیں، اور تعصب سے فتنے پیدا ہوتے ہیں، تصلّب کبھی فتنہ نہیں پیدا کرتا، کوئی شافعی

ہے تو وہ اپنی شافعیت کو نہیں چھوڑتا لیکن اس کے باوجود وہ حنفیوں کو بھی حق دیتا ہے کہ ان کو بھی اپنا مسئلہ طے کرنے کا حق ہے چنانچہ وہ لوگ بھی برحق ہیں، آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ فقہاء کے اختلاف میں اعتقاد ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اپنا موقف "صحیح محتمل الخطا" دوسرے کا موقف "خطا محتمل الصواب" یعنی ہمارے دلائل کی روشنی میں ان کا موقف غلط ہے مگر عنداللہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور ہمارا موقف صحیح ہے مگر عنداللہ غلط بھی ہوسکتا ہے، یہی حال افکارونظریات کے اختلاف کا بھی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ لیگی وکانگریسی اختلافات کے زمانے میں کسی نے اُن کو اُن کے شاگرد حضرت تھانویؒ سے بدگمان کرنا چاہا یا کوئی تبصرہ سننا چاہا تو حضرت نے ناراض ہوکر فرمایا "میرا موقف کوئی منزل من اللہ نہیں ہے، مجتہد فیہ ہے اُن کا بھی مجتہد فیہ ہے، اگر آپ لوگ ان مسائل کو فتنہ اور تفرقے کا سبب بناؤ گے تو میں اپنی رائے ترک کر کے انہی کی رائے اختیار کرلوں گا"۔

دین کے جتنے بھی کام اس وقت ہندوستان میں ہورہے ہیں ان کے طریقے منصوص نہیں ہیں سب مجتہد فیہ ہیں البتہ کام منصوص ہیں، کیا علم کی حفاظت کے لئے تبلیغ کی طرح، تدارُس منصوص نہیں ہے؟ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ مامن قوم یقعدون فی بیت یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا و حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ وانزلت علیھم السکینہ وذکرھم اللہ فیمن عندہ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام، اس حدیث میں مدرسے کی چار فضیلتیں حضور علیہ السلام نے ایک ہی جگہ بیان فرمادیں کہ جو قوم کسی جگہ جمع ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کا تدارس کرتی ہے فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، رحمت اس کو ڈھانک لیتی ہے اور سکینت ان پر اتاری جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود لوگوں (فرشتوں) کے سامنے مباہات کے ساتھ اُن کا ذکر فرماتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ دین کا کام ہے اور اگر یہ دین نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام اتنی بڑی فضیلت کیوں بیان فرماتے؟

اس طرح ایک حدیث مسلم شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تھے، کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے، بہت کمزور اور غریب تھے، پیٹ چپکے ہوئے تھے، آنکھیں اندر دھنس رہی تھیں، اور اُن کے گلوں میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں، کپڑے پھٹے ہوئے تھے، ان کے آنے کے منظر کو حضور علیہ سلام دیکھ نہ سکے اُٹھ کے چلے گئے، (شارحین حدیث فرماتے ہیں) حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنے نو گھروں پر تشریف لے گئے یہ دیکھنے کے لئے کہ کچھ ہے ان لوگوں کو کھلانے کے لئے؟ کسی گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جس سے اُن کی مدد کی جاسکے، اس لئے مسجد تشریف لائے، نماز پڑھائی اور نماز کے بعد لوگوں کو رُکے رہنے کے لیے کہا، منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا

اور خطبے میں فرمایا ''لوگو! ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر کچھ لوگ درھم لے آتے، کچھ لوگ اناج لے آتے، کچھ کھجور لاتے، کچھ کپڑے لاتے؟ تو وہ سب لوگ اٹھے اور گھروں کو گئے، جس سے جو ہوسکا لے کے آئے، تھوڑی دیر میں مسجد کے صحن میں ایک اناج کا ڈھیر تھا، ایک کھجوروں کا ڈھیر تھا، ایک کپڑوں کا ڈھیر تھا، پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی تقسیم فرمائی، ان کی تقسیم کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی جلدی تھی کہ ظہر کی سنن بعد یہ نہیں پڑھ سکے، اور عصر بعد گھر میں یہ دو رکعت پڑھ رہے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ آپ تو عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں غرباء کو مال تقسیم کرنے میں ظہر کی سنتیں نہیں پڑھ سکا تھا، ان سنتوں کو اب پڑھ رہا ہوں۔ تو دیکھو! یہ دین کا کام تھا نا، آپ کے نزدیک غرباء میں مال تقسیم کرنا اتنا اہم تھا کہ اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوٹ گئی، مگر آپ نے اس کام کو پہلے کیا، تو بات یہ ہے کہ جس موقع پر جو کام ضروری ہے اس کو دین کے کہتے ہیں۔

حضرت شاہ جمال الرحمٰن صاحب کے والد حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم بھی تھے اور سرکاری ملازم اور اردو ٹیچر بھی تھے، اور مختلف جگہوں پر تبادلے ہوتے رہتے تھے اس زمانے میں ابھی تک لوگوں میں دین کا زیادہ شعور نہیں تھا، اکثر لوگ بدعت ہی نہیں شرکیات میں مبتلا تھے، کتنے ہی مسلمانوں کے گھروں میں نرسو کی مورتی ہوا کرتی تھی اور اب بھی بعض تلگو علاقوں میں ہوا کرتی ہے، حضرت صوفی صاحبؒ نے دین کے اس موضوع کو اپنے لئے منتخب فرمایا اور اس بدعقیدگی کا اتنا تعاقب کیا (کہ میں نے ان کے متوسلین میں سے کسی قریبی آدمی سے سنا کہ) انہوں نے تین یا تیس ہزار گھروں سے نرسو کی مورتی نکالی تھی، ان مورتیوں کو اپنے پیر کے نیچے پامال کر کے ان کو اطمینان دلاتے تھے کہ کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ، جیسے حضور علیہ السلام مکہ فتح کرنے کے بعد کعبۃ اللہ میں گئے تو اتنی مورتیاں تھیں کہ نماز پڑھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی عبادت یہ کی کہ اس کے کونوں میں جہاں کوئی فوٹو بنا ہوا نہ تھا تکبیر کہی، پھر وہ فوٹوز اور مجسمے اُتروائے اور نکلوائے اور دیواریں زمین دھلوائی، پھر نکلنے سے قبل دو رکعت نماز پڑھی، ایک علاقے میں اسی کام کے سلسلے میں صوفی صاحبؒ پہونچے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت! جماعت کا وقت ہوگیا ہے نماز پڑھ کے چلیں گے، تو حضرت نے فرمایا کہ نماز کا وقت کچھ دیر اور رہے گا، نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن وہ اگر مر گیا تو شرک پے مرے گا، چناں چہ پہلے اس کے گھر گئے، وہاں سے نرسو کو نکالا اور اس شخص کو سمجھایا اس کو کلمہ پڑھایا پھر نماز پڑھنے گئے۔

یہ طئے کرنا علماء کا کام ہے کہ کس وقت کونسا عمل دین ہے، ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ طئے کرلے کہ یہ دین ہے یا یہ کہ اپنے لئے کسی اچھے عمل کو پسند کرلیا تو بس یہی دین ہے، اس کے علاوہ دین کچھ اور نہیں، ایسا کرنا

تعصب ہے تصلب نہیں، تصلب الگ چیز ہے تعصب الگ چیز ہے، تعصب مذموم ہے اور تصلب پسندیدہ ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ شافعی مسلک کے بہت بڑے عالم دین گزرے ہیں، ان کی بڑی بڑی تصنیفات ہیں وہ طبقات شافعیہ میں بلند مرتبہ کے علماء اور مشائخ میں شمار کئے جاتے ہیں، امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو کتاب وسنت سے ہٹ کر ہیں تو میں متفکر و بے چین ہو گیا کہ اُمت کا ایک بڑا طبقہ اس مسلک پر چل رہا ہے اور یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ کتاب وسنت سے ہٹا ہوا مسلک ہے، پھر میں نے ان کی فقہ کا مطالعہ کیا اور اُسے کتاب وسنت پر رکھ کر دیکھتا رہا، تو الحمدللہ میں اس نتیجے پر پہونچا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہے، اور اس اطمینان کے بعد میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور مجھے مکاشفہ میں یہ بات بتلائی گئی کہ سب سے آخر میں اُٹھنے والا علم فقہ حنفی ہے۔

اب بتایئے! ان کا مسلک دوسرا ہے، وہ شافعی المسلک تھے اور بعد میں بھی اسی پر رہے، اپنا مسلک نہیں چھوڑا، لیکن دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنی طرح برابر مسلمان سمجھتے تھے، اس لئے ان کے نقصان کو سن کر بے چین ہوئے، اور اس بات کا چرچا کرنے اور لوگوں میں بیان کرتے پھرنے کے بجائے اس کی تحقیق کی، تحقیق میں کتنا وقت لگا ہوگا، مسائل دیکھنے میں کتنے مہینے گذر گئے ہوں گے، یہ خلوص وللّٰہیت ہے، اس کے بعد جو حقیقت تھی وہ امت کو بیان بھی کر دی اس کو چھپایا نہیں، حالاں کہ اس سے دوسرے مسلک کی تقویت ہو رہی تھی، اسی کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ کی تحقیقات پر جو اطمینان تھا اُسے چھوڑا بھی نہیں، اسی پر قائم رہے، اس کو کہتے ہیں تصلّب! پوری پختگی کے ساتھ آدمی اپنے کام میں لگا رہے۔

اس زمانہ میں دینی حلقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ شرم ناک صورت حال ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ صورت حال علماء کے درمیان چل پڑی ہے، خواص کے درمیان چل پڑی ہے۔ بے چارے عامۂ مسلمین کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اُنہیں حق معلوم ہے نہ باطل معلوم ہے، ان کو جس ذریعے سے ہدایت ملتی ہے یعنی کچھ مذہبی شعور پیدا ہوتا ہے، بہرے گونگے، اندھے بن کر اُن کے راستے پر چلتے رہتے ہیں، ان کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہیئے، لیکن علماء وخواص امت کیسے عصبیتِ جاہلیہ کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، قرآن مجید کہتا ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا، کوئی بات ہو یہاں تک کہ قرآن بھی پیش کیا جائے تو عالم کو گونگا بہرا بن کر نہیں گرنا چاہیئے، عالم کو اس میں تدبر کرنا چاہیئے، غور کرنا چاہیئے، غور وفکر کر کے حق کی بنیاد پر اس بات کو قبول یا رد کرنا چاہیئے، یہ نہیں ہے کہ گونگوں بہروں کی طرح گرے جا رہے ہیں، عالموں کو اپنی بات میں

توازن اور اعتدال رکھنا چاہیئے، عالموں کو دوسرے شخص کا حق محفوظ رکھنا چاہیئے، یہ تو ٹھیک ہے کہ منکرات پر نکیر ہونی چاہیئے، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے، وہ فریضہ ہمیشہ باقی رہے گا، بلکہ امام نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں امام غزالیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس دینِ اسلام میں قطبُ الرَحیٰ ہے، رَحیٰ چکی کو کہتے ہیں اور قطب اس کھوٹے کو کہتے ہیں جو بیچ میں رہتا ہے جس کے اطراف چکی کا پاٹ گھومتا ہے، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دینِ اسلام کا قطب الرَّحیٰ ہے، اگر یہ کھوٹا ٹوٹ جائے گا تو یہ دین ہی ختم ہوجائے گا، لیکن امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والے بھی احکام کے محتاج ہیں، ایسا نہیں کہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر رہا ہوں تو میں قطب ہوگیا ہوں، یاد رکھئے کتنے بڑے قطب ہوجائیں، قطب کو بھی قطب یعنی اس کو ٹھیک کرنے والے کی ضرورت ہے،، نبی ایک ایسی ہستی ہے جس کی کوئی دوسرا بندہ نگرانی نہیں کرتا، اللہ اس کی نگرانی کرتے ہیں، بغیر نگرانی کے تو نبی بھی نہیں ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ ان کے نگہبان ہوتے ہیں، جو شخص ـــــ چاہے وہ کتنی بڑی ہستی ہوجائے ـــــ مستقل بالذات ہوجاتا ہے، اپنے اوپر کسی کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ ہدایت کا مرجع ہرگز نہیں بن سکتا ضلالت کا سرچشمہ ہی بن سکتا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر بن الخطابؓ اپنی رعایا سے فرماتے تھے کہ ہماری نگرانی کرتے رہنا، اگر ہم ذرا بھی راستے سے ہٹیں تو ہمیں ٹوکو، بتاؤ، اور عمر فاروقؓ نے تو چند جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو اپنے اوپر مراقِب بنا دیا تھا کہ آپ لوگ میری نقل وحرکت دیکھتے رہنا، جہاں میں غلط کروں بتا دینا، چناں چہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کئی احکامات جاری کرتے تھے، لیکن جب بھی ان کو کسی صحابیؓ نے یا صحابیہؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین! یہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟ کتاب اللہ میں تو ایسا نہیں ہے تو اپنا آرڈر فوراً واپس لے لیتے تھے، یہ شان ہے فاروقیت کی، صدیقیت کی، اور یہی ہمارے لئے اُسوہ اور نمونہ ہے۔

آج کل کے حالات میں دو باتیں ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، ایک بات تو یہ ہے ملت میں جتنے دین کے کام ہورہے ہیں وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے ہیں، مگر چوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے کام ایک شخص کر نہیں سکتا ایک جماعت کر نہیں سکتی، اس لئے مختلف جماعتیں دین کے مختلف کام کریں گی، ان میں مجددین پیدا ہوتے رہیں گے، اور ان میں محنت کرنے والے اور قربانیاں دینے والے اللہ پیدا کرتا رہے گا، اس لئے کسی دین کی خدمت کو جو منصوص ہو ـــــ اور دین کی سب خدمتیں جیسے تعلیم تربیت جہاد خدمتِ خلق وغیرہ، منصوص ہیں، ان کے آداب واحکام، حدود وقیود منصوص ہیں لیکن کام کرنے کے طریقے جو رائج ہیں وہ منصوص نہیں ہیں، حالات زمانہ وعلاقہ کے حساب سے بدلتے رہتے ہیں۔ کی قدر کرنی چاہیئے، رہ گئے ذرائع اور طریقے تو اس پر اصرار نہ

ہونا چاہیئے، کیوں کہ یہ مجتہد فیہ ہیں، کسی بندے کے دل میں اللہ نے کام کا کوئی طریقہ ڈالا اور وہ مفید و موثر ثابت ہوگیا، بعض طریقے زیادہ مفید نہیں ثابت ہوئے بعض زیادہ مفید ثابت ہوگئے، یہ ذرائع ہیں مقاصد نہیں، اصل چیز جو مقصود ہے خدمتِ دین ہے، فساد اس وقت آتا ہے کہ مقصود کو جیسے منصوص مانا گیا تو ذریعے کو بھی منصوص مان لیا گیا، جیسے موز کے خریدنے سے آپ کا مقصود کیا ہے؟ آپ کا مقصود موز کو خریدنے سے اس کے گودے کو کھانا ہے، چھلکے مقصود نہیں ہے، یہ چھلکے اس کی حفاظت کا ذریعہ ہیں؛ تمام خدماتِ دینیہ کو ضروری نہ سمجھنا اور کام کے طریقوں کو بھی لازم وملزوم سمجھنا یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔

دیکھئے ملک میں بعض لوگ دعوت الی الایمان کا کام کررہے ہیں، یہ بھی دین کا کام ہے، بعض لوگ مکاتب پھیلا کرامت کے نونہالوں کے عقیدہ وایمان کا تحفظ کررہے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، بعض لوگ بڑے بڑے مدارس کے ذریعے علومِ عالیہ کی حفاظت واشاعت کررہے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، بعض لوگ اُمت کی ضرورت کے مطابق احکام ومسائل مرتب کرکے چھاپ رہے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، بعض لوگ تحقیق کرکے اُمت کے مسائل کا حل نکال رہے ہیں اور فتاویٰ جاری کررہے ہیں، یہ بھی دین کا کام ہے، بعض لوگ غربا پروری اور بیوگان ویتامیٰ کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، یہ بھی دین کا کام ہے، بعض لوگ علومِ دینیہ یعنی کتاب وسنت اور فقہ اسلامی اور عقیدۂ اسلامی کا تحفظ کررہے ہیں یہ بھی دین کی خدمت ہے، بعض لوگ باطل فرقوں اور عقیدے کے رہزنوں سے اُمت کو بچانے کا کام کررہے ہیں یہ بھی دین کی خدمت ہے، بعض لوگ عوام الناس کو اُن کے غفلت زدہ ماحولوں سے نکال کر دین سے جوڑ رہے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے حتیٰ کہ بعض لوگ جو سماجی وسیاسی خدمات کے ذریعے ملت کے حقوق کا تحفظ کررہے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، سب کے فضائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں، بس شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور شرع کے احکام کے مطابق ہوں۔

ہمیں حدود میں رہنے کا حکم ہے، فقہاء فرماتے ہیں سنت کو لوگ واجب کا درجہ دے دیں تو اس سنت کا ترک واجب ہوجاتا ہے، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سنتوں کا اہتمام نہ کریں؟ نہیں! وہ مواظبت ہے، مواظبت تو مطلوب ہے، پابندی کرو لیکن اعتقاد کے درجے میں اس قدر ضروری سمجھنا کہ تارک پر ملامت کی جائے یہ درست نہیں، اگر لوگ ایسا ضروری سمجھنے لگیں تو پھر ترک ضروری ہوجاتا ہے تاوقتے کہ یہ غلط فہمی دور ہوجائے، اسی اعتبار سے لوگ غلط فہمیوں میں اس قدر مبتلا ہوتے ہوجائیں کہ کسی طریقہ کو مجتہد فیہ ماننے، مفید ماننے، مؤثر ماننے سے آگے بڑھ کر منصوص ماننے لگیں تو پھر وہ اعتقادی خرابی میں مبتلا ہورہے ہیں، اس کا ترک واجب ہوگا، یہ سب علم کی قلت کی وجہ سے دشواریاں اور پریشانیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں، دیکھئے پگڑی

باندھنا حضور علیہ السلام کی سنت ہے اس میں کس کو اختلاف ہے، لیکن علماء میں بعض نے باندھا اور بعض نے مسلسل ترک کردیا، اس لیے ترک کردیا کہ کچھ لوگوں نے اس کو ضروری سمجھا تھا، ہندوستان میں ایک وہ وقت تھا کہ اگر پگڑی باندھے بغیر نماز پڑھائی جائے تو لوگ کہتے تھے نماز نہیں ہوئی پھر سے دہراؤ، تمل ناڈ کے علاقے میں قریب قریب بیس پچیس سال پہلے تک جب تک کہ علمائے دیوبند کا غلبہ نہیں ہوا تھا تو میں نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بنی ہوئی پگڑی منبر پر رکھی ہوئی ہوتی تھی، امام صاحب یوں تو نہیں پہنتے تھے لیکن نماز پڑھانے کے لئے پہنتے تھے، پھر اتار کر وہیں رکھ کے چلے جاتے تھے، جب اس قدر غلو ہوا تو پھر علماء نے اس کو ترک کیا اور صرف ٹوپی پہننے لگے، جب لوگوں کو اس سلسلے میں معلومات ہوگئیں اور پتہ چل گیا کہ یہ ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی کام چلتا ہے تو پھر اس سنت کیا احیاء ہورہا ہے اور اس کی طرف توجہ دی جارہی ہے۔

غرض یہ ہے کہ بہت سی چیزیں لوگوں میں پہلے اپنے مقام پر رہتی ہیں پھر غلو و مبالغے کے نتیجے میں وجوب تک پہنچ جاتی ہیں، اس کو وہ مرتبہ و مقام دے دیا جاتا ہے جو شریعت نے نہیں دیا ہے تو افراط و تفریط سے پاک کرتے رہنے کے لئے مجددین وجود میں آتے ہیں اور وہ افراط و تفریط سے امت کے کاموں کو پاک کرتے ہیں، جیسے ایک وقت وہ تھا جب لوگ دین صرف نماز روزہ کو سمجھتے تھے، معاملات و معاشرت کی ان کے یہاں کوئی اہمیت نہ تھی، تو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مجددنہ شان سے ان شعبوں کو زندہ کیا، ایک کتاب لکھی تھی، تبلیغِ دین، اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ''اس جز وِ زمان میں جز و معاملات اور جز و معاشرت (یعنی دین کے اجزاء) علماء میں عمداً اور عوام میں عملاً کالمحذوف والمتروک ہوگئے''، یعنی دین کے دو شعبے معاملات کو شریعت کے مطابق رکھنا اور معاشرت یعنی رہن سہن اور ایک دوسرے کے حقوق کو شریعت کے احکام کے مطابق رکھنا، معاملات اور معاشرت کہلاتے ہیں، جو دین کے پانچ اجزاء میں سے دو جزو ہیں اس کو شریعت کے مطابق رکھنا عوام نے عملاً اور علماء نے عمداً[1] چھوڑ رکھا ہے۔

حضرت کے پاس ایک آدمی آئے، طالب علم تھے، پوچھا کیسے آئے ہو، تو کہا کہ اپنی اصلاح و تربیت کے لئے آیا ہوں، حضرت نے فرمایا کہاں سے آئے ہو، کہا فلاں جگہ سے، پوچھا ٹکٹ لیا تھا؟ تو کہا کہ بھیڑ بہت تھی اس لئے میں لے نہیں سکا، پھر اسٹیشن آیا اُتر گیا، تو کہا کہ پہلے جاؤ اسٹیشن پر ایک ٹکٹ خرید کے اُسے ضائع کرو، تاکہ تم نے کمپنی سے جو استفادہ کیا اور کمپنی کو پیسا نہیں دیا تو وہ پیسا اس کو پہنچ جائے، پھر آ کے بولو کہ اپنی اصلاح چاہتا ہوں، یہ معاملات کی درستگی ہے، آج کل معاملات تو درست نہیں ہورہے ہیں اور پیری مریدی چل رہی ہے، کسی بزرگ کے پاس گئے، بیعت ہوگئے، چہرہ، حلیہ بنالیا، پگڑی وگڑی باندھ لی، کرتا جبہ لمبا کرلیا اور

---

[1] کیوں کہ وہ جانتے بوجھتے ترک کئے ہیں۔

سمجھ گئے کہ ہم دین دار ہو گئے، ہماری اصلاح ہو رہی ہے، کیا اصلاح ہو رہی ہے؟ اصلاح تو جب ہو گی جب ہمارے معاملات صحیح ہوں ہماری معاشرت صحیح ہو، ہمارے اخلاق درست ہوں، ہم کو گفتگو کرنے کا سلیقہ ہو، آج ہم اُمت کی اصلاح کر رہے ہیں اور ہماری زبان وقلم کا حال سوشیل میڈیا پر دیکھ لو کہ کس طرح سامنے آرہا ہے؟ یہ ہماری اصلاح ہوئی ہے؟ اگر اصلاح ہوتی تو آدمی کو سامنے والے کو برداشت کرتے ہوئے گفتگو کرنے کا سلیقہ نصیب ہوتا، حضور علیہ السلام نے تو یہود ونصاریٰ کو برداشت کرلیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ مومن مومن کو نہیں برداشت کر رہا ہے عالم عالم کو نہیں برداشت کر رہا ہے، یہ صورتحال ہمارے زمانے میں کیوں ہو رہی ہے؟ اسی لئے کہ ہماری اصلاح نہیں ہو رہی ہے، ہم صرف خانقاہ سے جُڑے ہوئے ہیں، محض مشائخ اور خانقاہوں سے جڑنے سے اصلاح نہیں ہو جاتی، اصلاح باضابطہ کرانی ہوتی ہے، اسی طرح محض علماء اور مدرسوں سے جڑنے سے علم نہیں آتا، جو پڑھے گا وہی عالم ہو گا، آٹھ برس تک مدرسے میں رہا مگر نہیں پڑھا، جنھوں نے پڑھا اُن کو اللہ پاک نے علم وصلاحیت عطا فرمادی، تو مدرسہ سے جُڑ جانا عالم ہو جانے کی علامت نہیں ہے، خانقاہ سے جُڑ جانا تزکیہ اور تصفیہ ہو جانے کی علامت نہیں، دعوت سے جُڑ جانا کامل دین جاننے کی علامت نہیں۔

آج کل دیکھو! اپنے عقیدے تک مسلمان نہیں جانتے، عقیدے نہ جاننے کی وجہ سے کیسی کیسی گمراہیاں سامنے آرہی ہیں، کس طرح پُرانے پُرانے خوش عقیدہ لوگوں کے گھروں کے بچے خراب ہو رہے ہیں، تباہ ہوتے چلے جارہے ہیں، اس تیز رفتاری کے ساتھ کہ جیسے ارتداد کی آندھی آئی ہو، ایسی صورت حال کیوں پیدا ہوئی؟ اس لئے کہ عقیدہ نہیں جانتے، بس كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْن کے مصداق بنے ہوئے ہیں ہر شخص ایک کام کو لے کر بیٹھا ہے وہ اسی میں مگن ہے، اسی کے لئے لڑ رہا ہے اسی کے لئے بھڑ رہا ہے مگر حقیقی دین کیا ہے، اس سے اُسے کچھ لینا دینا نہیں، نہ دین جاننے کی فکر نہ دین سیکھنے کی فکر، نہ اپنے کو دین پہ جمانے کی فکر، نہ خوفِ خدا، بس ہر پارٹی اپنی پارٹی کو بڑی اور غالب بتانے کے چکر میں لگی ہوئی ہے، آپ چاہے کسی بھی دین کے طبقے والوں کو دیکھو یہی حال ہے ـــــ الا ماشاء اللہ ـــــ بے شک کچھ مخلصین ہیں اور اِن مخلصین ہی کی وجہ سے دین زندہ ہے، لیکن عموماً یہ ذہن بن گیا ہے، یہ ذہن جب تک اُمت بدلے گی نہیں اور جب تک امت دین کے بجائے جماعتوں کو اپنا مقصود بنانے کی سنگین غلطی سے باہر نہیں آئے گی تب تک یہ دین اپنے کمال اور اپنی شان کے ساتھ زندہ نہیں ہو گا۔

کیوں کہ ذرائع مقصود نہیں دین مقصود ہے، مثلاً ایک آدمی بے دین تھا کسی بزرگ صوفی صاحب کے پاس جانے لگا ماشاء اللہ اس نے اپنے عقیدے درست کئے، اپنے اعمال درست کیے، ایک ایک بات پوچھ رہا ہے

آہستہ آہستہ ترقی کررہا ہے، وہ دین پسند ہوگیا یا نہیں؟ ایک شخص جاہل تھا مدرسے میں پڑھا اللہ نے دین دیا، عقیدے درست کئے، اعمال صحیح ہوئے وہ دین دار ہوا یا نہیں؟ ایک شخص بُرے ماحول میں تھا جماعت والوں نے محنت کی اب ماشاء اللہ نمازی اور دین پسند ہوگیا، اس کا دین میں آنا معتبر ہوگا یا نہیں؟ مگر بُرا ہو تعصب اور تنگ نظری کا کہ ایک ہی مسلک وعقیدے کے لوگ ہیں مگر ایک لائن کا آدمی دوسری لائن سے سیکھے گئے سچے سانچے دین کو بھی دین ماننے تیار نہیں ہے، یہ تصلّب نہیں ہے صریح تعصّب اور بے دینی کی بات ہے۔

غرض! ایک لائن کو مقصود بنا لینے کی گمراہی نے بہت بڑا نقصان امتِ مسلمہ کو پہونچا یا، یہ بہت بڑا نقصان ہے، یہ سمجھنے اور ماننے کی ضرورت ہے کہ بس دین مقصود ہے خواہ کسی بھی معتبر لائن سے آئے، کسی راستے سے آئے، ایک شخص بے نمازی تھا اب وہ شافعی نمازی بن گیا، حنبلی نمازی بن گیا، مالکی نمازی بن گیا، حنفی نہیں بن سکا تو اگر ہم اس کو نمازی نہیں مانتے تو غور کرلو کیا خود ہم دین دار ہیں؟ اگر اس کو نمازی نہ مانیں تو ہم خود بے دین ہیں، وہ بھی نمازی ہے طریقہ کوئی سا بھی اختیار کیا ہوگا، مگر یہ ہے کہ نمازی تو بن گیا، یہ چیز ہے جس میں ہم کو وسعت چاہیئے اور حوصلہ چاہیئے اور اس معاملے میں ہمارے اندر اخلاق چاہیئے، ہمارے اندر سے تعصب کا پھوڑا نکل جانا چاہیئے، جب تک یہ تعصب کا پھوڑا رہے گا ہم کچھ نہیں کر سکتے، کسی کام کے لائق نہیں بن سکتے، ہاں تصلب ضرور ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق نصیب فرمائے۔

بہر حال! جو باتیں بھی کہی سنی گئی ہیں میں نے اس وقت کے حالات کے تناظر میں آپ کے سامنے رکھی ہیں، یہ ہمارے بڑوں کا کبھی طریقہ نہیں رہا، اب ہم دیکھ رہے ہیں جس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ کا دین کس سطح پر اُتر گیا ہے، آج سے تیس چالیس سال پہلے بھی میں نے اپنی جوانی میں علماء کو اس طرح نہیں دیکھا دین میں اس طرح کے حالات نہیں دیکھے جو آج نظر آرہے ہیں، یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے "وَتُوبُوٓا إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"، ہم سب کو اپنے آپ کو قصوروار سمجھ کر اللہ سے توبہ استغفار کرنا چاہئے، امید ہے (بلکہ یقین ہے لعل جب اللہ کی طرف سے ہو تو یقین) یقین ہے کہ فلاح پائیں گے انشاء اللہ اچھا منظر سامنے آئے گا، اگر ہم سب لوگ اللہ سے توبہ کریں اور دنیا میں جو کچھ بُرا ہو رہا ہے اس کے بارے میں اپنے کو ذمہ دار مان لیں کہ میری وجہ سے ہو رہا ہے، مجھے اللہ سے رجوع کرنا چاہیے، اللہ سے توبہ کرنا چاہیئے، مگر اب یہ کرنے کے بجائے ہم ایک دوسرے کی بخیہ اُدھیڑنے میں لگے ہوئے ہیں، بُرائیاں پھیلانے اور ذلیل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس سے تو کچھ ہونے والا نہیں اس سے تو شر وفساد بڑھنے والا ہے۔ اللہ پاک توفیق عمل نصیب فرمائے۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب: قریش کے خاندان مخزوم سے تعلق رکھتی ہیں، باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا، فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہمشیرہ تھیں۔

نکاح: عکرمہ بن ابوجہل سے (جو ان کے چچازاد بھائی تھے) نکاح ہوا۔

عام حالات: غزوۂ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں؛ لیکن جب ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع سوائے قبول اسلام کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، ان کا خسر (ابوجہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفار کا سرغنہ تھا، شوہر عکرمہ کی رگ وپے میں اسی کا خون دوڑتا تھا (ماموں) خالد بھی مدت سے اسلام سے برسرِ پیکار رہ چکے تھے، لیکن بایں ہمہ ام حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنی فطرت وسلامت روی کی بنا پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی، ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے، ام حکیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا، غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا، نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جان بازی سے لڑے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، ام حکیم کو لے کر شام گئے اور ''اجنادین'' کے معرکہ میں دادِ شجاعت پاکر شہادت حاصل کی، حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عدت کے بعد خالد بن سعید بن العاصؓ سے نکاح کیا، ۴۰۰ سو دینار مہر باندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں، چونکہ نکاح مقام ''مرج الصفر'' میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا، حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے خالد سے کہا کہ ابھی توقف کرو؛ لیکن خالد بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین

---

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ہے، غرض ایک پُل کے پاس جواب ''قنطرۂ ام حکیم'' کہلاتا ہے، رسم عروسی ادا ہوئی، دعوتِ ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آپہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی، خالد رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں گئے، جام شہادت نوش کیا، حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا اگرچہ عروسہ تھیں، لیکن اُٹھیں، کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا تو لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے سات کافروں کو شہید کیا۔ (الاصابہ: ۸/۲۲۵)

حضرت خنساء رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: تماضر ان کا نام تھا، خنساء لقب، قبیلہ بنی قیس کے خاندان سلیم سے تھیں، سلسلہ نسب اس طرح ہے: خنساء بنت عمر بن الشرید بن رباح بن یقظہ۔

نکاح: پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزیٰ سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مرواس بن ابوعامر کے عقد نکاح میں آئیں۔ (طبقات الشعراء لابن قتیبہ: ۱۹۷)

قبول اسلام: پیرانہ سالی کا زمانہ تھا، مکہ کے افق سے ماہتابِ رسالت طلوع ہوا، حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئیں، اور مشرف بہ اسلام ہوگئیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہتے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

عام حالات: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساءؓ اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی، پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے، ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں باپ کی اولاد ہو، میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے قتال کرنے میں بڑا ثواب ہے، خدا تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے '' يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا '' اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو'' چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باہیں اٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور شہید ہوئے، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساء کو ملتی رہی۔ (اسد الغابۃ: ۵/۴۴۲)

وفات: اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساء نے وفات پائی، سال وفات: ۲۴ ھجری ہے۔

اولاد: چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے ان کے نام یہ ہیں ’عبداللہ‘ ابوشجرہ (پہلے شوہر سے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے)‘‘۔

فضل وکمال: اقسام سخن میں سے مرثیہ خوانی میں حضرت خنساء اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔

اسد الغابۃ میں لکھتے ہیں: اجمع أھل العلم بالشعراء لم تکن امرأۃ قبلھا و لا بعد أشعر منھا (یعنی ناقدان سخن کا اس پر اتفاق ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی۔

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے، تاہم اس میں بھی حضرت خنساءؓ مستثنیٰ رکھی گئی ہیں، بازار عکاظ میں جو شعرائے عرب کا سب سے بڑا امر کز تھا، حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصیب ہوتا تھا، جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ’’أرثی العرب‘‘ یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ خواں، نابغہ جو اپنے زمانہ سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساءؓ نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر ابوبصیر (اعشیٰ) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا‘‘۔

حضرت خنساءؓ ابتداء ایک دو شعر کہتی تھیں، لیکن صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا، چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں، یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے۔

ان صخر التائم الھدایہ بہ
کأنہ علم فی رأسہ نار

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتداء کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہ کا دیوان بہت ضخیم ہے ۱۸۸۸ء میں بیروت میں شرح کے ساتھ چھاپا گیا ہے، اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیئے شامل ہیں، ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

دوالفاظ

حکیم خدا نے کہا: متاع الدنیا قلیل!!

حریص انسان کہتا ہے: متاع الدنیا خلیل!!

(فکر یے، حصہ دوم، از: ابنِ غوری)

گوشۂ سیرت

واقعۂ معراج کا پیغام اور موجودہ عالمی حالات

مفتی صادق حسین قاسمی کریم نگری*

نبی کریم ﷺ کی مبارک سیرت اور آپ کی حیاتِ بابرکت میں پیش آنے والے حیرت انگیز واقعات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے عبرت اور نصیحت کے بے شمار پہلو رکھے ہیں، سیرتِ رسول ﷺ کا کوئی چھوٹا بڑا واقعہ ایسا نہیں ہے جس میں رہتی دنیا تک کے لئے انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کو پیغام وسبق نہ ملتا ہو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی ذات کو انسانوں کے لئے نمونہ قرار دیا، جس کو دیکھ کر صاف وشفاف آئینہ میں صبح قیامت تک آنے والے لوگ اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہیں اور اپنے شب وروز کو سدھار سکتے ہیں، الجھنوں اور پریشانیوں میں راہِ عافیت تلاش کر سکتے ہیں، آلام ومصائب کے دشوار گزار حالات میں قرینۂ حیات پا سکتے ہیں، یورشِ زمانہ سے نبرد آزمائی اور فتنہ وفساد کے پرخطر ماحول میں حکمت وتدبر کے راستہ منزل سے رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ سیرت کا کوئی واقعہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں کہ جس میں مسلمانوں کے لئے ان گنت نصائح نہ ہوں۔ چنانچہ سیرت رسول ﷺ کے حیرت انگیز واقعات میں سے واقعۂ معراج بھی ہے جو تاریخ انسانی کا نہایت محیر العقول اور سیرت رسول ﷺ کا بے مثال معجزہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سرور دوعالم ﷺ کو رات ہی کے کچھ حصے میں جسم وروح کے ساتھ، بیداری کی حالت میں عالم بالا کی سیر کرائی اور اپنے قرب کا اعلیٰ ترین مقام عنایت فرمایا، جنت وجہنم کا مشاہدہ کروایا، نیکوں اور بدوں کی سزا وجزا کا معائنہ کروایا، نبیوں سے ملاقات ہوئی، ہر جگہ آپ کی عظمت ورفعت کا چرچہ کروایا، رحمتوں کی بارش فرمائی اور انعامات والطاف سے خوب نوازا اور امت کے لئے عظیم الشان تحفہ ''نماز'' کی شکل میں عطا کیا، اور قیامت تک کے لئے انسانوں کو اپنے معبود اور خالق سے رابطہ کرنے اور اپنے مالک سے راز ونیاز کرنے کا سلیقہ بخشا۔ واقعۂ معراج بے شمار سبق آموز پہلوؤں اور عبرت خیز واقعات کا مجموعہ ہے۔

اس واقعۂ معراج کی روشنی میں ہمارے لئے موجودہ عالمی حالات میں بھی کئی ایک نصیحت آموز ہدایات ملتی ہیں جس کے ذریعہ گرد وپیش میں چھائے ہوئے تاریک ماحول اور ظلم وستم کی اندھیری رات میں ہم چراغ

*مدیر ماہنامہ الاصلاح، کریم نگر

ایمان کوفروزاں کر سکتے ہیں اور مایوسی وناامیدی کی گھٹاٹوپ تاریکی میں امید کی شمع روشن کر سکتے ہیں ۔اس کے لئے ہمیں واقعہ معراج کے پس منظر کو ذہنوں میں تازہ کرنا پڑے گا اور ان حالات کی چیرہ دستیوں کو دیکھنا ہوگا جس کے بعد یہ ایک عظیم الشان سفر کروایا گیا،آیئے ایک طائرانہ نظران حالات پر ڈالتے ہیں ۔

معراج کا پس منظر:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیغامِ حق لے کر کھڑے ہوئے اور توحید کی دعوت دی ،انسانوں کو اللہ کی طرف بلانے کا آغاز فرمایا تو آپ کے مخالفین اور دشمنون کی پوری جماعت ہر وقت آپ کی ایذا رسانی میں رہی ،جو کل تک آپ کو اپنا عزیز ومحبوب سمجھتے تھے وہی آپ کی عداوت اور مخالفت میں پیش پیش رہنے لگے ،مکہ میں طلوع ہونے والا سورج ہر دن ایک نئی مصیبت اور تکلیف لے کر آتا اور پیغمبر اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے صحابہ کرامؓ کا امتحان لیتا ،ان مصیبت کی گھڑیوں میں اور ان آزمائشی حالات میں آپ کی حمایت کرنے والے اور آپ کے معاون آپ کے چچا ابوطالب تھے جو اپنے بھتیجے کو چاہتے بھی تھے اور اس کی نصرت وتائید میں ڈھال بنے ہوئے تھے ،بیرونی زندگی میں چچا کی حمایت آپ کے لئے مضبوط سہارا تھا ،اور اسی چچا کی رعایت اور ان کی عظمت کے پیشِ نظر دشمنوں کو کھلے عام آپ کو ستانے کی ہمت بھی نہیں ہوتی اور آپ کے مشن ودعوت میں رکاوٹ کا موقع نہ ملتا ،دعوتی محنت سے بوجھل بدن اور انسانیت کی فلاح وبہبودی میں تڑپنے والا تھکا ہارا جسم لے کر جب آپ گھر تشریف لاتے تو آپ کی ہمت بڑھانے والی اور آپ کے حوصلوں کو تقویت پہنچانے والی آپ کی وفا شعار اہلیہ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ تھیں جو ہر اعتبار سے اپنے شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتی ۔ ان دونوں کے تعاون سے آپ اپنے مقصد میں لگے ہوئے تھے کہ ۱۰ سنہ نبوی میں آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور کچھ دن بعد آپ کی غم گسار بیوی حضرت خدیجہ بھی دنیا سے چل بسی ۔(رحمۃ اللعالمین :۱/ ۹۲)

علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ :ایک ہی سال میں ام المؤمنین خدیجہؓ اور آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا اور ان دونوں کے انتقال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ تر مصائب اور تکلیفات کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ حضرت خدیجہؓ آپ کی سچی مددگار تھیں ،ہر ایک بات آپ ان سے بیان فرماتے تھے اور ابوطالب آپ کے پشت پناہ اور مددگار تھے ،جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو قریش کو آپ کی ایذا رسانی میں جرأت پیدا ہوئی جو پہلے میسر نہ تھی ،یہاں تک کہ ایک خبیث نے راستہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر خاک ڈالی ۔(سیرت ابن ہشام : ۱/ ۲۷۷ مترجم)ان تکلیف دہ حالات میں اور مکہ والوں کی بے اعتنائیوں سے آپ نے طائف کا سفر کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو دین حنیف سے مانوس کیا جائے اور اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں فراہم کی جائے ،امید کی شمع دل میں

روشن کئے اور شوق و جذبات کے ساتھ آپ نے طائف کے سفر کیا، لیکن یہاں پر بھی آپ کے ٹوٹے دل پر تیر و تلوار چلائے گئے، اور آپ کو جو اذیت دی گئی عاشق رسول، رئیس القلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی رقت انگیز تحریر میں ملاحظہ کیجئے کہ: آگ میں پھاندنے والوں کی جو کمریں پکڑ پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا، وہی کمر کے بل گرایا جاتا تھا، پتھر مار مار کر گرایا جاتا تھا، گھٹنے چور ہو گئے، پنڈلیاں گھائل ہو گئیں، کپڑے لال ہو گئے، معصوم خون سے لال ہو گئے، نوعمر رفیق نے سڑک سے بے ہوشی کی حالت میں جس طرح بن پڑا اٹھایا، پانی کے کسی گڑھے کے کنارے لایا، جوتیاں اتارنی چاہیں تو خون کے گوندے تلوے کے ساتھ اس طرح چپک گئی تھیں کہ ان کا چھڑانا دشوار تھا۔ اور کیا کیا گذری، کہاں تک اس کی تفصیل کی جائے، خلاصہ یہ ہے کہ طائف میں وہ پیش آیا جو کبھی نہیں پیش آیا۔ (النبی الخاتم: ۵۰)

عروج و سربلندی کا آغاز:

ان سخت مراحل سے گذرنے، ابتلاء و آزمائش کی کٹھن راہوں سے بڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وہ عروج و بلندی عطا فرمانے کا فیصلہ فرمادیا جو کسی اور نبی کے حصے میں نہیں آئی، وہ عظیم الشان اعزاز اور بے مثال فضیلت بخشنے کا اعلان فرمایا کہ جس کا اب تک کوئی حق دار نہیں تھا، اور سب سے بڑھ کر ٹوٹے دل کو سہارا دینے، تنہا و یکتا تصور کرنے والے کو اپنی نصرت و معیت کا احساس دلانے اور سب سے بڑھ کر مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کرنے اور اسلام کے پیغام کو وسعت بخشنے کا یہ ایک تاریخی اعزاز ہے جو نبی کریم ﷺ کو ''سفرِ معراج'' کی شکل میں عطا کیا گیا۔ اس عظیم سفر کا مقصد بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ رقم طراز ہیں کہ: ۱۰ سنہ نبوی گذر گیا، ابتلاء و آزمائش کی سب منزلیں طے ہو چکیں، ذلت و رسوائی کی کوئی نوع ایسی نہ باقی رہی کہ جو خداوند ذوالجلال کی راہ میں نہ برداشت کی گئی ہو، اور ظاہر ہے کہ خدائے رب العزت کی راہ میں ذلت اور رسوائی سوائے عزت اور رفعت اور سوائے معراج اور ترقی کے کیا ہو سکتا ہے؟ چناں چہ جب شعب ابی طالب اور سفر طائف کی ذلت انتہاء کو پہنچ گئی تو خداوند ذوالجلال نے اسراء و معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا، اور آپ کو اس قدر اونچا کیا کہ افضل الملائکہ المقربین یعنی جبریل بھی پیچھے رہ گئے اور ایسے مقام تک رسائی کرائی جو کائنات کا منتہی ہے یعنی عرشِ عظیم تک جس کے بعد اب اور کوئی مقام نہیں۔

(سیرت المصطفیٰ: ۱/ ۲۸۸)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ضیافت و عزت افزائی تھی، جو آپ کی دل داری و دل نوازی اور طائف کے ان زخموں کو مندمل کرنے اور توہین و ناقدری

اور بے گانگی و بے وفائی کی تلافی کے لئے تھی جس کے سخت امتحان سے آپ وہاں گزر رہے تھے۔(نبی رحمت:۱۸۹)

ناکامی کے بعد کامیابی:

ایسی بھی کوئی شام نہیں ہے جس کی سحر نہ ہو اور ایسا بھی کوئی ظلم نہیں جو بڑھ کر ختم نہ ہو گیا ہو، عداوت و دشمنی کی بھی حد ہوتی ہے، مکر و فریب بھی ایک انتہا کو جا کر دم توڑ دیتا ہے، ناکامی کے منصوبے بنانے والوں کے منصوبے بھی خدائے حکیم کے سامنے چل نہیں سکتے، بدخواہی کے خواب دیکھنے والے اور برائی کی سازشیں کرنے والے بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہوتے ہیں، چناں چہ اسلام کے چراغ کو بجھانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں رکاوٹوں کو پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور اپنی ایذا رسانیوں اور ظلم و زیادتیوں سے یہ سمجھ بیٹھے کہ اب گویا اسلام کی محنت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد ختم ہو جائے گی، مصائب و مشکلات کے حوصلہ شکن حالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے عزائم کو پست اور ان کی کوششوں کو روک دیں گے لیکن انہی ظاہری ناکامیوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی فتح مندی اور کامرانی کی شکلوں کو پیدا فرمایا، شعب ابی طالب کی اسیری، سفر طائف کی ناکامی اور مضبوط سہاروں کے اٹھ جانے کے غم و الم کو اللہ تعالیٰ نے دور کرنے کا فیصلہ فرما دیا اور چوں کہ آپ خاتم النبین بنا کر بھیجے گئے، آپ کا لایا ہوا پیغام دنیا کے ہر گوشے میں پھیلنا اور ہر خطے میں پہنچنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام فرمایا اور پھر اسلام کی کامیابی کا دور شروع ہوا ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا، مدینے کے قبائل شوق و جذبات کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے فتوحات کے دروازے کھلے، اجنبیت اور تنہائی کے دن پورے ہوئے اور فداکاروں و جاں نثاروں کا ایک جم غفیر آپ کے اشارۂ ابرو پر سب کچھ لٹانے والا تیار ہو گیا۔

طلبِ مدد کا خدائی کا نسخہ:

اس عظیم الشان سفر میں جو خاص تحفہ نماز کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا وہ دراصل ہر مشکل اور پریشانی کو دور کرنے، ہر زخم کو مندمل کرنے اور ہر غم و الم سے نجات پانے کا خدائی کا نسخہ ہے۔ جس نے ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنے اور رب سے تعلق مضبوط کرنے کا آسان راستہ بتا دیا، ناموافق حالات اور ناسازگار ماحول میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے اور اس کی توجہات کو مبذول کرانے کے لئے نماز سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ خود قرآن مجید میں حکم دیا گیا کہ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر ان لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں۔(البقرۃ:۴۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنے احکامات دیئے گئے وہ تمام روئے زمین پر نازل ہوئے لیکن صرف وہ مہتم بالشان عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا کر عنایت فرمایا، گویا پریشان حال بندوں کے تعلق کی راہوں کو

آسان کردیا۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ لکھتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے معراج کی رات نماز کوفرض کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ: بندوں تمہارے نبی کا جسم وروح کے ساتھ معراج کرنا یہ ایک معجزہ ہے،لیکن تمہارے لئے ہر دن پانچ مرتبہ یہ سعادت ہے کہ تمہاری روح اوردل معراج کرکے میری طرف آتے ہیں۔(السیرۃ النبویۃ دروس وعبر:۵۹)

موجودہ حالات میں پیغام:

اس وقت مسلمان دنیا کے چپے چپے میں ظلم وزیادتی کا شکار ہیں،عداوت ودشمنی کے تاریک ماحول میں پھنسے ہوئے ہیں،اور جان ومال،عزت وآبرو،اسباب ووسائل تمام پر دشمنوں کے قبضے میں ہیں،تذلیل وتحقیر کا دردانگیز سلوک کیا جارہاہے،فلسطین کے معصوم بچے،بے قصور نوجوان،عفت مآب عورتیں،بوڑھے مرد سب ظلم کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں،ملک شام میں خونِ مسلم کی ارزانی کا دردناک منظر ہے،ہنستے چہکتے گھروں کو ویران وقبرستان بنایا جارہاہے،۱۴/لاکھ سے زائد بے گھر ہوکر نانِ شبینہ کے لئے تڑپ رہے ہیں،لاکھوں مسلمان مردوعورت،جوان وبوڑھے قتل وخون کے سفاکانہ کھیل میں جام شہادت نوش کرچکے ہیں،ہندوستان کی سرزمین بھی مسلمانوں کے لئے نت نئے آفتوں کو پھیلانے کے درپے ہیں،نوجوانوں پر الزامات عائد کرکے ان کی زندگیوں کو اجیرن بنایا جارہاہے،اسرائیل کی بڑھتی ہوئی یورش نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے چین وسکون،آرام وراحت کو چھین لیا،اور پوری دنیا چند افراد کے اشاروں پر جہنم کدہ بنی ہوئی ہے اور خاص کر مسلم دنیا کے دائرہ کو تنگ کرنے،ان کے اختیارات کو سلب کرنے،ان کے تشخصات کو مٹانے،اور اسلامی شناخت کو مسخ کرنے کی منصوبہ بند سازشیں ہورہی ہیں،اور ایک عجیب وغریب ماحول پوری دنیا میں چھایا ہوا ہے،اور بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کے وجود کو ختم کرکے ہی دم لیا جائے،اور ان کی عزتوں کو پامال کرکے ہی راحت کی جائے گی۔ لیکن واقعہ معراج ان جاں گسل حالات میں،اور ان حوصلہ شکن ماحول میں بھی امید ویقین کا پیغام دیتا ہے،اور سربلندی وعروج کی خدائی منصوبہ بندی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔کیوں کہ جب ایمان والے دین حق پر استقامت کے ساتھ جمے رہیں گے اور حالات کا مقابلہ کرتے رہیں گے وہ پھر وہی خدائی قدرت پستیوں سے نکال کر سربلندیوں پر پہنچائے گی،جن کو ذلیل وحقیر سمجھا جاتا رہا ان کے سر عزت ووقار کا تاج رکھے گی،اور جن کو مٹانے کی کوشیں کی جاتی رہیں ان ہی کے وجود سے دنیا کے نقشے کو بدلے گی،ظلم کا خاتمہ ہوگا،ناانصافیوں کا دور ختم ہوگا،حقوق تلفی کا بازار سرد پڑے گا،قتل وخون کا میدان ٹھنڈا ہوگا،بقول فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے: معراج کا واقعہ مسلمانوں کی دلداری اور طمانیت کا سامان ہے کہ وہ مصیبت اور مایوس کن حالات کی وجہ سے حوصلہ نہ ہاریں،بلکہ اس طرح کے واقعات ان کے پائے استقامت کو مضبوط تر کرتا چلائے

اورخدا پران کا یقین بڑھتا جائے کہ جیسے رات کی تاریکیوں سے صبح کی پو پھٹتی ہے،اسی طرح باطل کے غلبہ وظہور کے بعد حق ایک نئی آب وتاب کے ساتھ دنیا کی ظلمتوں پر چھا جا تا ہے۔۔۔(پیام سیرت:۱۱۹) شرط یہی ہے کہ ایمان ویقین اور استقامت کے ساتھ دین متین پر قائم رہیں،اور شریعت وسنت کی تعلیمات پر دل وجان سے عمل پیرا ہوں تو انشاء اللہ عروج وسر بلندی خدائی وعدہ ضرور بالضرور اس دور میں بھی پورا ہو کر رہے گا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تفصیلات ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

حسب قاعدہ نمبر ۸ ملکیت کے بارے میں

نام رسالہ :اشرف الجرائد

وقفۂ اشاعت :ماہانہ

ایڈیٹر/ پرنٹر/ پبلشر :محمد عبدالقوی

قومیت :ہندوستانی

پتہ :ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

عائش آفسیٹ پرنٹرس،مسجد معراج،کرما گوڑہ،سعید آباد،حیدرآباد

مقام اشاعت :ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ کالونی،سعید آباد،حیدرآباد

مالک :محمد عبدالقوی

میں محمد عبدالقوی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم ویقین میں صحیح ودرست ہیں۔

دستخط

محمد عبدالقوی

اصلاحی مضامین

ایمان کی قدر پہچانیے!

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

دینِ اسلام دین برحق ہے، اللہ عز وجل برحق ہے، اس کا رسول برحق ہے، اس کی کتاب برحق ہے، اس کا بھیجا ہوا ہے دین برحق ہے۔ جس نے دینِ اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر ترجیح دی، اس کو قبول کیا اس کا دین عنداللہ مقبول ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اور جو اسلام کو قبول کرلینے اور نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہوجانے کے بعد کفر کی گندگی میں جا گرا اور اُسے اسلام پر ترجیح دی تو وہ مردود اور خائب وخاسر ہے۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ، روز اول سے دینِ اسلام ہی برحق ہے تا روزِ حشر وہی برحق رہے گا، اس کے بالمقابل یہودیت، نصرانیت، وثنیت یا اور کوئی دین ودھرم عنداللہ مردود ونامقبول ہے۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار (مسلم)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کوئی اس امت میں سے مجھ کو (میری رسالت کی خبر کو سُنے) خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اور وہ اس شریعت پر ایمان لائے بغیر مرجائے جس کے ساتھ مجھ کو مبعوث کیا گیا ہے تو وہ اہل دوزخ میں سے ہے۔

یہ واضح ارشاد خبر دے رہا ہے کہ جو لوگ رسالتِ محمدی کو جان لینے کے بعد دینِ حق (یعنی جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھیجی گئی ہے) قبول کئے بغیر بے ایمانی کی موت مرجائیں وہ اپنے لئے دوزخ کو ٹھکانہ بنا رہے ہیں، اور اس کے برعکس جو لوگ اللہ کو دل وجان سے رب حقیقی اور مالک حقیقی مان لیں گے اور اس کے بھیجے ہوئے دینِ اسلام کو بسر وچشم قبول کرلیں گے اور اس پر جمے رہیں گے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع وپیروی کا قلادہ گلوں میں ڈال لیں گے اور کبھی نہ نکالیں گے تو انھیں حلاوتِ ایمانی کی بشارت ہے۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ حلاوتِ ایمانی ان تین لوگوں کو حاصل ہوگی: (۱) وہ جسے اللہ ورسول

*استاذ شعبہ عالمیت ادارۂ ہٰذا

سب سے زیادہ عزیز ہوں۔(۲) دوسرے وہ جو کسی بندۂ مومن سے محبت رکھے تو صرف اللہ کو خوش کرنے ہی کے لئے محبت رکھے، کوئی دنیوی ونفسانی غرض نہ ہو۔(۳) تیسرے وہ جسے اللہ نے کفر کی ضلالت سے بچالیا ہو پھر وہ کفر کی طرف واپس لوٹنے کو ایسے ہی ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

پس جسے حلاوتِ ایمانی نصیب ہوتی ہے، دین پر احکامِ دین پر جم جاتا ہے، راہِ حق کی ہر کلفت ومشقت کو بہ جبر واکراہ نہیں بلکہ بہ جذبۂ سمع وطاعت برداشت کرلیتا ہے، کسی قیمت پر ایمان سے برگشتہ نہیں ہوتا؛ عزت وجاہ، مال ومنال، اہل وعیال حتیٰ کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز اُسے ایمان واسلام ہوجاتا ہے، پھر کسی قاہر کا جبر، اور کسی مکار کا مکر، کسی زورآور کی حرص وطمع اس کے ایمان کو متزلزل نہیں کرتی۔ لَا یَضُرُّهُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا

یہی حقیقت صحابہ کرامؓ کی نظر میں کُھل گئی تو انھوں نے دنیا کا ہر سودا منظور کیا لیکن ایمان کا سودا کبھی منظور نہ کیا، جان گئی، مال گیا، عزت وشہرت گئی، دولت وثروت گئی، اپنے پرائے ہوگئے، شہر سے بے شہر ہوئے سب کچھ لٹ گیا مگر ایمان سلامت۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی خاطر جو تکالیف اور اذیتیں برداشت کی ہیں، مکہ کی پہاڑیاں، شعب ابی طالب، طائف کے میدان، بلکہ سرزمینِ بطحا کا ذرہ ذرہ اس پر شاہد ہے، آپ کے اصحاب کرامؓ نے بھی آپ کے نقش پا کی پیروی کی، حضرت ابوبکرؓ کو قوم نے مار مار کر ہلاکت تک پہونچادیا، حضرت عمرؓ نے اسلام کا اعلان کیا تو قوم ان پر ٹوٹ پڑی، پھر عاص بن وائل نے اُنہیں پناہ دے کر بچایا، حضرت عثمان وطلحہؓ کو ان کے اعزہ نے رسیوں سے باندھ کر سخت اذیتیں پہونچائیں، حضرت عمارؓ یاسرؓ اور ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ، حضرت بلالؓ حضرت خبابؓ ان حضرات کو کفار نے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر عرب کی تپتی ریت پر ڈال دیا، اور کسی کو آگ میں جھونک دیا، حضرت صہیبؓ اپنا سارا مال مکہ میں چھوڑنے اور صرف دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو عہد فاروقی میں رومی حکمراں نے دینِ محمدی چھوڑنے کے لئے آدھی سلطنت کا لالچ دیا، نہ ماننے کی صورت میں سولی پر لٹکا کر ان کے آس پاس تیر برسا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی، پھر بھی نہ مانے تو دہکتی دیگ میں کھولتے ہوئے پانی میں ایک مسلمان کو ڈال کر خوف دلایا، لیکن وہ بالکل خوف نہیں کھائے اور اسلام پر جمے رہے۔ ایمان وعزیمت کے واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں، سب نے ہر طرح کی آزمائشوں کا مقابلہ کیا، جان جانِ آفریں کے حوالے کی اور یہ کہتے ہوئے راہِ وفا سے گذر گئے۔

نہ دینِ حق کے ماسوا کوئی دھرم اچھا لگا

یہ عہد عتیق کے درخشاں وتابندہ اسلام اور اہل اسلام کے نقوشِ راہ ہیں جس میں عہدِ حاضر کے شیدایانِ مغرب اور فریب خوردہ مسلمانوں کے لئے اُسوہ موجود ہے ،اصحابِ خیر القرون کے نزدیک ایمان کو اولیت حاصل تھی ، ہمارے نزدیک ثانویت بھی مشکل سے ملتی ہے، ان کی راہ میں ہزاروں رکاوٹیں آئیں پر ایمان بچا رہا، اور ہمارے لئے ایمان ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، وہ ایمان لاکر اللہ ورسول کی نظر میں دانشمند ٹھہرے، اور ہم دینِ اسلام سے ہاتھ دھونے کو دانشمندی اور اس پر چلنے کو نادانی ، دقیانوسی ،قدامت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں ،کلمہ گُو وہ بھی تھے اور ہم بھی ہیں ، ایمان کی مایہ ان کے دلوں میں بھی تھی اور ہمارے دلوں میں بھی ہے، لیکن اِن دونوں میں بونِ بعید اور شرق وغرب کے فاصلے معلوم ہوتے ہیں ، یہ فرق کیوں ہے؟ اس لئے کہ انہوں نے ایمان پر محنت کی ، ایمان تقویت کو پہونچائی ، ایمان کے تذکروں سے اپنی زندگیوں کو معمور رکھا، گھر کی چہار دیواری سے لے قصر خلافت کے ایوانوں تک ایمان ہی ایمان کی باتیں تھیں ، وہ ایمان کی گھٹتی بڑھتی کیفیت پر عقابی نظر رکھنے والے تھے، اس کے برخلاف ہمارا حال یہ ہے کہ گھروں میں ، نجی ملاقوں میں ، اجتماعی مجلسوں میں ، گوشہ نشینی میں انجمنوں میں ، بازاروں کے پُر آشوب ماحول میں اور مسجد کے نورانی آثار میں دنیا کے تذکرے ہیں ، زندگی کا قیمتی وقت دنیا سنوارنے کی تگ ودو اور دنیا بگڑنے کے غم وحزن میں صرف ہورہا، صبح کی بیداری سے شب بسری تک کوئی وقت ایسا نہیں آتا جس میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ یاد آتا ہو، احکامِ اسلام اور ایمان ویقین کی باتوں سے زبانوں کو چاشنی ملتی ہو، ایمان کے تذکروں سے کان آشنا ہوں ، دل ودماغ کو ایمان کی ترقی کی خوشی اور تنزلی کا غم ملتا ہو۔ نتیجہ سامنے ہے کہ ایمان کی مایہ کمزور ہوتی اور لُٹتی چلی جارہی ہے، روز بہ روز الحاد وارتداد کے افسوس ناک وافسردہ خاطر واقعات بڑھتے جارہے ہیں ، سماج کے ہر طبقے پر کفر وارتداد کے مہیب بادل منڈلا رہے ہیں ، چھوٹے بڑے ، نوجوان وضعفاء ، پڑھے لکھے اَن پڑھ ، دین دار سمجھے جانے والے اور بے دین سبھی عقائد وایمانیات کے نہایت نازک مسئلے میں بے فکری وغفلت کا شکار ہیں ، ہر کوئی کفر والحاد کی وادی میں گِرنے کو تیار ہے ، امتِ مسلمہ میں اب مسئلہ صرف مہدویت ، قادیانیت ، سری چن بسویشوریت ، شکیلیت کو قبول کرلینے تک محدود نہیں رہا بلکہ نصرانیت ، یہودیت ، وثنیت کو اسلام کے مقابلے میں ترجیح دینے اور اپنانے تک بات پہونچ چکی ہے ، کیا اہلِ اسلام کے نزدیک ایمان کا مسئلہ اس قدر بے وقعت وبے حیثیت ہوگیا؟ اسی ایمان کو بچانے کے لئے خیر القرون نے سب کچھ قربان کردیا اور اب اسی ایمان کی بولی لگائی جارہی ہے۔

نبی ﷺ کی پیشین گوئی اور یہ فکر انگیز بیان ہماری چشم کُشائی کے لئے کافی ہے: شبِ تاریک کے ٹکڑوں کی طرح فتنوں کے آنے سے پہلے اعمال میں سبقت کرو ، کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہوجائے گا یا شام

کو مومن تھا اور صبح ہوتے ہوتے کافر ہوجائے گا، اور معمولی دنیا کی خاطر ایمان بیچ دے گا۔(مسلم) آج ہم ایسے ہی ماحول میں گذر رہے ہیں ہمیں پتہ نہیں کہ اپنی زبان سے کس لمحہ کلمۂ کفر ادا کردیں اور ایمان ہمارے قلوب سے رُخصت ہوجائے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ تعوذوا باللّٰہ من الفتن ما ظھر منھا و ما بطن یعنی اللہ سے ان ظاہر ہوجانے والے اور مخفی فتنوں سے پناہ مانگو۔(مسلم)

سلامتیِ ایمان کی فکر سب سے اہم مسئلہ ہے، فتنوں کی آگ میں ایمان کو جھلسنے سے بچانا بہت ضروری ہے، ایمان کی سوغات نہایت وقیع ہے، ایمان عطیہ خداوندی ہے، ایمان ذریعہ نجات ہے، موت کے وقت ایمان سلامت رہا ہے نجات کی ضمانت مل سکتی ہے، اپنے اور اپنی نسلوں کے ایمان کو بچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کریں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتنی فکر تھی ایمان کی سلامتی کہ آپ فرما رہے ہیں جددوا ایمانکم اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو، صحابہؓ نے پوچھا ہم اپنے ایمان کی تجدید کیسے کریں؟ تو فرمایا: اکثروا بقول لا الٰہ الا اللہ کثرت سے لا الٰہ الا اللہ پڑھتے رہو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل صحابہ کرامؓ نے یہ نقل فرمایا ہے کہ مغرب کی فرض نماز اور فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح و شام عملاً ایمان کی تجدید کی یہ ترتیب آپ نے اختیار فرمائی تھی، یہ دونوں سورتیں توحید کے اقرار اور کفر سے انکار و اعراض کے مضمون میں صریح ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی تدبیریں اختیار کریں تاکہ ہم ماحول ایمان والا پائیں بے ایمانی سے بچ سکیں۔ چند تدابیر یہ بھی اختیار کی جاسکتی ہیں:

اولاً ہر شخص اپنی دینی حالت کا جائزہ لے، اور اپنے ایمان کو مضبوط بنانے کی سعی مسلسل کرے، گھروں میں عقائدِ اسلام کی تعلیم کا اہتمام کرے، بچوں کو اسلام و ایمان کی اہمیت بتلائے، اور کفریات ولغویات سے آگاہ کرے، اور اس کے انجامِ بد سے متنبہ کرے، ہفتہ یا مہینہ میں ایک مرتبہ گھر والوں اور افرادِ خاندان کو جمع کرکے کسی معتبر عالمِ دین سے عقائد وایمانیات اور احکام اسلام جاننے کا نظام بنائے، شہر میں ہونے والی دینی مجالس واصلاحی بیانات، دروسِ قرآن ودروسِ حدیث میں شرکت کرے، اپنی ہر محفل اور مجلس میں ایمان کے تذکرے کرے، اس دور کے فتنوں سے آگاہی حاصل کرے اور چوکنا رہے۔ کفریہ بول اور کفریہ اعمال وحرکات سے مکمل طور پر بچتے رہے، اپنے بچوں کو ایسی تعلیم گاہوں کے حوالے نہ کریں جہاں ان کے ایمان کو خطرہ ہو، ان کے دلوں سے اسلام کی اہمیت ختم کی جاتی ہو۔ مثلاً وندے ماترم، سوریہ نمسکار، ویدوں کی تعلیم، یسوع مسیح کی خدائی کا اقرار وغیرہ۔ ہمارے پروردگار کا یہ پیغام ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔(التحریم:۶) اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔

اصلاحی مضامین

اسلام، امن وسلامتی کا پیامبر!

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمیؔ

اسلام امن وسلامتی کا علم بردار اور محبت وخیر سگالی کو فروغ دینے والا مذہب ہے؛ جس میں ظلم وتشدد کی مطلق گنجائش نہیں، خوف و دہشت کا کوئی تصور نہیں، ذات پات اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تفریق کا بالکل جواز نہیں۔ مذاہب عالم کے غیر جانب دارانہ مطالعہ کے بعد پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انسانی جان کے احترام و وقار اور امن واطمینان کے ساتھ زندگی گزارنے کے حق کو دین اسلام نے جس درجہ اہمیت واولیت دی ہے، کسی مذہب نے نہیں دی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’جو کوئی کسی کو قتل کرے جب کہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی‘‘ (الانعام:32) اسی طرح حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس عظیم خطبہ میں ـــــ جو انسانیت کے لیے دائمی منشور اور حقوق وفرائض کے حوالہ سے مکمل دستور کی حیثیت رکھتا ہے ـــــ اس بات پر زور دیا کہ ناحق کسی کا خون نہ بہایا جائے، چناں چہ ارشاد فرمایا: تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لیے ایسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے تمہارے اسی مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) اور تمہارے اس دن (عرفہ) کی حرمت ہے۔ تم سب اپنے پروردگار سے جاملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ لہٰذا میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گم راہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (صحیح بخاری، باب حجۃ الوداع، صحیح مسلم) یعنی کسی شخص کو ناحق قتل کرنا کافروں اور گم راہوں کا کام ہے، نیز ایک دوسرے کو کافر یا گم راہ کہہ کر قتل کرنا شریعت مطہرہ میں گناہ وجرم ہے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ’’اسلام عدل، سچائی اور امن پسندی کا دین ہے؛ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے اسلام کو امن وسلامتی کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا ہے۔ انتہا پسندی اور فرقہ واریت کا خاتمہ قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے اور منہجِ سلف کو اختیار کرنے ہی سے ممکن ہے۔‘‘

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اسلام قتل وخونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا مت کرو" (الاعراف:56)۔ امن ایک بہت بڑی نعمت ہے؛ جس کو قرآن نے عطیہ الٰہی کے طور پر ذکر کیا ہے، فرمایا: "اہل قریش کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے جس رب نے انہیں بھوک سے بچایا کھانا کھلایا اور خوف و ہراس سے امن دیا" (القریش:4) اسلام میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت (حرم مکہ) کو گہوارۂ امن قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس کے سایہ میں داخل ہونے والا ہر شخص صاحب امان ہوگا۔ (آل عمران:97)

یہ اسلامی تعلیمات ہی کا فیضان ہے کہ بعثت محمدی کے بعد رافت ورحمت، ہمدردی ورواداری اور امن و شانتی کے حیرت انگیز مناظر سامنے آئے اور دنیا میں بڑی بڑی حکومتوں کے اندر انسانی جان کی ناقدری کے خوفناک واقعات اور ہولناک حادثات آمد اسلام کے بعد موقوف ہوگئے اور دہشت وخونریزی سے عالم انسانیت کو نجات ملی، انہیں تعلیمات کے باعث ایک مختصر مدت میں عرب جیسی خونخوار قوم تہذیب وشرافت کے سانچے میں ڈھل گئی اور احترام نفس وامن وسلامتی کی علمبردار ہوکر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی، جس کا نقشہ قرآن کریم نے کچھ اس طرح کھینچا ہے: ''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔'' (آل عمران:103)

یہ حقیقت واقعہ ہے کہ اسلام نے احترام انسانیت کی جگہ جگہ تلقین کی ہے، جملہ انسانوں کو ایک پالنہار کی رعایا اور ایک باپ کی اولاد بتلایا ہے؛ کیوں کہ انسان ہی سے کائنات آباد وشاد ہے، اسی سے دنیا کی مصلحتیں پوری ہوتی ہیں اور نظام حیات اپنی رفتار سے چلتا رہتا ہے، تکریم نوع انسانی کے تعلق سے ارشاد خداوندی ہے: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل و دریا میں سواری دی۔ (سورۂ اسراء:70) خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز وحی سے قبل قیام امن کے لیے جو کوشش وجد وجہد فرمائی اس کا اندازہ حلف الفضول کے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ زبید شہر کا رہنے والا یمن کا باشندہ مکہ مکرمہ کچھ تجارتی ساز وسامان لے کر آیا، عاص بن وائل نے اس سے وہ سامانِ تجارت کے طور پر خریدلیا؛ لیکن اس کا حق دینے سے مکر گیا۔ وہ شخص فریاد و دادرسی کے لئے سرداران قریش کے پاس گیا اور اپنا مدعا پیش کیا؛ لیکن کسی نے اس کی دادرسی نہیں کی چونکہ عاص بن وائل کی قریش کی نظر میں بڑی وقعت تھی اس لئے اس کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے کوئی اس مظلوم کی نصرت وحمایت کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے جبل ابی قیس پر چڑھ کر چند اشعار میں اپنی مظلومیت کا نقشہ کھینچا اور انسانیت نواز

افراد کو نصرت وحمایت کے لئے پکارا۔ زبیر بن عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ ہم اس مظلوم کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتے، اس کی حمایت کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ پھر آپ نے دیگر قبائل کے سرداران سے تبادلۂ خیال کیا اور ذوالقعدہ کے مہینہ میں پانچ قریشی قبائل: بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرۃ اور بنو تیم کے درمیان ایک تاریخی معاہدہ طئے پایا۔ مذکورہ قبائل کے سردار بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں کھانے پر جمع ہوئے۔ اس عہد و پیماں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھے۔ معاہدہ یہ تھا کہ اگر مکہ میں کسی پر ظلم ہوا تو ہم اس کی مدد کو دوڑیں گے اور ظالم کو مکہ میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت کے بعد انسانیت پر مبنی اس تاریخی معاہدہ کا ذکر فرماتے اور فرمایا کرتے: میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر مجھے اس کے لئے دور اسلام میں بلایا جاتا تو میں اسے یقیناً قبول کر لیتا۔ (الرحیق المختوم)

پچھلی چار دہائیوں میں دور حاضر کا سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ جس نے انسانیت کو شعلہ زن آگ میں دھکیل دیا اور جس کی لپیٹ میں پورا عالم جھلس رہا ہے وہ دہشت گردی کا مسئلہ ہے، اضطراب و بے چینی اور خوف وہراس پھیلانے کا مسئلہ ہے۔ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک ہندوستان میں بھی فسطائیت وفرقہ پرست قوتیں امن وامان کی فضا کو مکدر کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہندوستانی فوج پر پلوامہ میں جو بزدلانہ حملہ ہوا ہے وہ بھی اسی کا شاخسانہ ہے، حقائق سے پردہ تو اس وقت اٹھے گا جب اس سانحہ کی اعلیٰ سطحی تحقیقات ہوں گی۔

اس اندوہناک حادثہ سے پورے ہندوستان میں غم و ماتم کی ایک لہر دوڑ گئی ہے، ہر آنکھ اشکبار ہے، ہر دل رنج میں ڈوبا ہوا ہے، اس کیفیت کے باوجود ملک کا ہر شہری یہ چاہتا ہے کہ ظالموں کو منہ توڑ جواب دیا جائے، ہمارے سپاہیوں کی شہادت کا انتقام لیا جائے، جس طرح خفیہ سازش کے تحت ہمارے درجنوں جوانوں کو جاں بحق کیا گیا اسی طرح خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ ان کے اصلی قاتلین کا پتہ لگایا جائے۔ سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ افسوس ناک واقعہ جہاں ایک طرف ملک کی سیکولرزم پر ایک سیاہ دھبہ ہے وہیں دوسری طرف موجودہ مرکزی حکومت کے لیے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ مذہبی اعتبار سے غور کیا جائے تو یہ دہشت گردانہ حملہ، اسلام وایمان کے سراسر خلاف ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے؛ بلکہ آگے بڑھ کر یہ کہنا بجا ہوگا کہ انسانیت اور انسانی اقدار کے بھی بالکل مغائر (opposed) ہے۔

حقیقت کو جانے بغیر معاملہ کی تہہ تک پہونچنے سے پہلے ہی بعض غیر مسلم تنظیمیں پورے زور وشور کے ساتھ

مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار بتلا کر ٹیررسٹ Terrorist و دہشت گرد قرار دے رہی ہیں اور جہاں "قال اللہ وقال الرسول" کی صدا بلند کی جاتی ہیں اسے جہادی سینٹر اور دہشت گردی کے اڈے بتلا رہی ہیں؛ جب کہ احادیثِ نبوی میں اتنی کثرت سے ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جو ایک عام ذہن والے کو بھی یہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں کہ دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات میں انسانی زندگی کے لئے وہ بہترین رہنمائی ہے جو نہایت خوش گوار اور خوش حال، پُرامن اور پُرمسرت زندگی کی ضامن، پیار و الفت، سلامتی و عافیت، راحت و رحمت اور ہر طرح کے فوز و فلاح کی باعث ہے۔ وہ دین جو نماز کے لئے وضو میں مسواک پر زیادتِ اَجر کی خوش خبری سناتا ہے کہ منہ سے بدبو نہ آئے تاکہ مسجد میں ساتھ کھڑے ہونے والے دوسرے نمازیوں کو کراہت محسوس نہ ہو، وہ دین جو حلال جانور کو بھوکا پیاسا ذبح کرنے سے منع کرتا ہے، تاکہ جان نکلنے میں تکلیف و دقت نہ ہو، وہ دین جو رہ گزر سے کانٹے دور کرنے پر ثواب بتاتا ہے تاکہ راہ چلنے والوں کو دشواری نہ ہو، وہ دین جو جانور کی جان محض تلف کرنے کے لئے شکار کو پسند نہیں کرتا اور کسی جان کا بھی مُثلہ کرنے (صورت و حلیہ بگاڑنے) کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، وہ دین جو کسی کی عزت، جان، مال کے ناحق معمولی سے نقصان کو بھی گناہ عظیم بتاتا ہے، وہ دین جو باہمی محبت کو ٹھیس پہونچانے والی بیماری غیبت و چغلی کو زنا جیسی برائی سے زیادہ سخت بتاتا ہے، کیا اس دن پر دہشت پھیلانے اور نفرت کو عام کرنے کا الزام مبنی بر انصاف ہو سکتا ہے؟؟؟

اسلام، اہل اسلام اور مدارس اسلامیہ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ جہاں ہمارے لیے باعث حیرت و استعجاب ہے وہیں یہ ہمارے لیے نہایت افسوس کا مقام ہے کہ صدیوں سے ایک ساتھ رہنے کے باوجود برادران وطن کو ہمارے بارے میں صحیح بات معلوم نہیں، باشندگان وطن کی ایک بڑی تعداد کثرت اختلاط و معاملت کے باوجود ہم سے اور ہمارے دین سے واقف نہیں، ہم خود مخالفت میں ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

آج ضرورت ہے کہ ہم آپس کی اس خلیج کو کم کریں اور برادران وطن کے ساتھ بیش از بیش تعلقات بڑھانے کی کوشش کریں، ماضی میں ہندوستان کے مخلوط معاشرے میں ہمارے تعلقات گہرے تھے اور ہمارے عمدہ اخلاق و اعلیٰ کردار کی گواہی خود غیر مسلم دیتے تھے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانان ہند برادران وطن کے سامنے امن و سلامتی کے پیمبر بن کر خود کو پیش کریں، ہم سب کو اپنے قول و عمل سے یہ پیغام دینا ہے کہ ہم صلح و آشتی کے علم بردار ہیں۔ توحید کا تصور پیش کرنا دوسرا مرحلہ ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ غیر مسلمین سے تعلقات استوار کئے جائیں۔ تبدیلی راتوں رات نہیں آتی بلکہ اس کے لیے طویل مدتی لائحۂ عمل اور انتھک محنت وجد و جہد درکار ہے۔

اصلاحی مضامین

ماہِ رجب: فضائل ومسائل

ڈاکٹر مفتی احمد خان

رجب اسلامی وقمری سال کا ساتواں مہینہ ہے، اس کا شمار حرمت کے چار مہینوں میں ہوتا ہے، حرمت کے چار مہینے جس طرح قبل از اسلام معزز و محترم جانے جاتے تھے اسی طرح بعد از اسلام بھی ان کو وہی حیثیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (سورۃ التوبۃ، آیت:36)

یعنی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب (لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے چلی آرہی ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے۔

ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب یہ حرمت کے چار مہینے ہیں ان مہینوں میں جہاں نیک کام کا اجر وثواب دوگنا ہو جاتا ہے، اسی طرح گناہ کے ارتکاب پر وبال اور عذاب بھی دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں "فیضعف فیه العقاب بالعمل السيء كما يضاعف بالعمل الصالح"

(تفسیر قرطبی:8/134، دار الکتب المصریہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔" حضرت مفتی صاحب "منها أربعة حرم" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے، ایک تو اس لیے کہ ان میں قتل وقتال حرام ہے، اور دوسرا اس لیے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں۔ ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ ان میں پہلا حکم تو شریعتِ اسلام میں منسوخ ہو گیا مگر دوسرا حکم (احترام وادب) اور ان میں عبادت گزاری کا اہتمام اسلام میں اب بھی باقی ہے۔"

(معارف القرآن:4/370 تا 372)

رجب عربی زبان کا لفظ ہے جو ترجیب سے مشتق ہے۔اس کے معنیٰ تعظیم وتکریم کے آتے ہیں،بعض حضرات نے اس کا معنیٰ "ڈرنا" بیان کیا ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مہینوں کی طرح اس مہینہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے خوب ڈرنا چاہیے۔یہ مہینہ حرمت کے مہینوں میں ہونے کی وجہ سے محترم اور متبرک ہے اسی طرح اس میں عبادت کا اجر وثواب بھی زیادہ ہے،اس مہینے کے بہت سے فضائل احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔احادیث مبارکہ میں اس مہینہ میں روزے رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر وثواب کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے"اللّٰھمّ بارک لنا في رجب و شعبان،وبلّغنا رمضان "یعنی:اے اللہ!رجب اور شعبان کے مہینے میں ہمیں برکت عطا فرمائیے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجیے۔(شعب الایمان:5،348،رقم:3534،مکتبۃ الرشد،ریاض)

اسلام نے اس مہینہ کو بہت معزز ومحترم بتلایا ہے،مگر افسوس،صد افسوس کہ بعد کے جہلاء نے اس مہینہ میں بہت سی من گھڑت خرافات شروع کردیں جس کا دینِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ قرآن وحدیث میں ان کے بارے میں کوئی ذکر ملتا ہے۔

کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یوم وفات:

22 رجب کو صحابیٔ رسول،کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ہے،علامہ طبری لکھتے ہیں "مات معاویۃ بدمشق سنۃ ستین یوم الخمیس لثمان بقین من رجب "

(تاریخ طبری:5،324،دار التراث،بیروت)

حضرت معاویہؓ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسول نے دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا:"اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدبہ "(جامع الترمذی:2/247)اے اللہ!تو معاویہؓ کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا،ان کو ہدایت عطا فرما اور اس کے ذریعے ہدایت دے۔ایک اور جگہ فرمایا: اللّٰھم علّم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب۔ائے اللہ!معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما،اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اللّٰھمّ علّمہ الکتاب ومکن لہ في البلاد وقہ العذاب"(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،ج:9ص:356 طبع بیروت)

یعنی اے اللہ!معاویہ کو کتاب سکھادے اور شہروں میں اس کے لیے ٹھکانے بنادے اور اس کو عذاب سے بچالے۔ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو کسی مشورے کے لیے

طلب فرمایا، مگر دونوں حضرات مشورہ نہ دے سکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ادعوا معاویة احضروه أمركم فإنّه قويّ أمين" (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: 9/356) ترجمہ: معاویہ کو بلاؤ اور معاملے کو ان کے سامنے رکھو کیونکہ وہ قوی ہیں (مشورہ دیں گے) اور امین ہیں (غلط مشورہ نہیں دیں گے)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار کا تبانِ وحی میں ہوتا ہے اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ کے کاتبین میں سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا، یہ دونوں حضرات دن رات آپ ﷺ کے ساتھ لگے رہتے اور اس کے سوا کوئی کام نہ کرتے تھے۔"

(ابن حزم، جوامع السیرۃ، ص: 27)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مراسلۂ نبوی کے قاری تھے۔ (مسند احمد: 3/441، مجمع الزوائد، البدایہ والنھایہ)

آپؓ پر رسول اللہ ﷺ کو اتنا عظیم اعتماد تھا کہ خصوصی خطوط کے تحریر فرماتے تھے۔ (الاصابہ: 3/393)

☆ آپؓ کو پہلوئے نبوت میں بیٹھنے کا شرف حاصل رہا۔

☆ آپؓ کو نبی کریم ﷺ کے بال مبارک تراشنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (تاریخ ابن عساکر)

☆ آپؓ غزوات میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے، چنانچہ غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے 100، اونٹ اور 40، اوقیہ بھی عنایت فرمائے۔ (بخاری ومسلم)

کونڈوں کی شرعی وتاریخی حیثیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ابدی کامیابی کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری میں مضمر رکھا ہے، انسان اس کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت ورضا سے حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے مگر چونکہ انسان کی کامیابی شیطان کو اچھی نہیں لگتی اس لئے جب انسان کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو شیطان اس سے خوش ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ پریشانی کی بات یہ ہوتی ہے کہ گناہ گار انسان جب ندامت وشرمندگی سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے گا تو اپنے گناہ سے بالکل پاک صاف ہوجائے گا اس طرح شیطان سوچتا ہے میری ساری محنت رائیگاں جائے گی، تو پھر...... انسان کو ایک ایسے گناہ میں مبتلا کر کے مطمئن ہوجاتا ہے کہ اس کے ارتکاب پر انسان کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی، اور وہ گناہ "بدعت" ہے۔ جی ہاں! بدعت بہت ہی سنگین گناہ ہے، کیوں کہ بدعتی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑی نیکی کر رہا ہے جبکہ وہ اپنے عمل کو گناہ تصور ہی نہیں کرتا تو وہ توبہ کیسے کرے گا؟ اس لئے بدعتی ہمیشہ توبہ سے محروم رہتا ہے۔

انہی بدعات میں سے ایک قبیح بدعت 22 رجب کو کونڈوں کی رسم ہے۔ یہ بغضِ صحابہؓ اور توہینِ صحابہؓ پر مبنی رسم دشمنانِ صحابہ کی ایجاد کردہ ہے، اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ 22 رجب کی شب کو عورتیں نہا دھو کر باوضو ہو کر خاص طریقہ کے مطابق پوریاں بنا کر مٹی کے کورے کونڈوں میں بھر کے چوکی یا صاف چادر پر رکھ کر ایک منظوم کتاب پڑھواتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس رسم کی ابتداء سن 1906ء میں ریاست رام پور (یوپی) سے ہوئی۔

کونڈوں کی من گھڑت کہانی: رجب کے کونڈوں کو ثابت کرنے کے لیے ایک جھوٹی کہانی کا سہارا لیا جاتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینے میں ایک غریب لکڑہارے کی بیوی نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو 22 رجب کو میرے نام کے کونڈے بھرے گا پھر اللہ سے جو بھی دعا کرے گا وہ قبول ہوگی ورنہ قیامت کے دن وہ میرا گریبان پکڑ لے۔ چنانچہ اس لکڑہارے کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اس کا شوہر بہت سا مال لے کر واپس لوٹا اور ایک شاندار محل تعمیر کر کے رہنے لگا، اور وزیر کی بیوی نے کونڈوں کو نہ مانا تو اس کے شوہر کی وزارت ختم ہوگئی۔ پھر اس نے توبہ کی اور کونڈے بھرے تو دوبارہ وزیر بن گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اور قوم ہر سال دھوم دھام سے یہ رسم منانے لگے۔

یہ ایک قبیح بدعت رسم دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایجاد کردہ صرف اور صرف بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اظہار کے لیے ہے۔ اس کا دینِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رجب کے کونڈوں کی کوئی حیثیت نہیں، یہ گھڑی ہوئی باتیں ہیں، ان کو ترک کردینا چاہئے......ان کو شرعی سمجھ کر پکانا، بنانا، کھانا بدعت ہے۔" (کفایت المفتی: 2/283، ادارہ الفاروق کراچی)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کونڈوں کی مروجہ رسم محض بے اصل، خلافِ شرع اور بدعت ہے۔ 22 رجب نہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی تاریخِ ولادت ہے اور نہ ہی تاریخِ وفات، اس کا حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے ساتھ کیا تعلق؟ 22 رجب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات ہے۔ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ رسم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ جس وقت یہ رسم بجا لائی گئی اس وقت اہل سنت کا غلبہ تھا (اس لیے خفیہ منائی گئی)، لہٰذا برادرانِ اہل سنت کو اس رسم سے بہت دور رہنا چاہئے، نہ خود اس رسم کو بجا لائیں اور نہ ہی اس میں شرکت کریں۔" (فتاوی محمودیہ: 1/220، ادارہ الفاروق کراچی)

شب معراج منانے کی حقیقت:

27 رجب کی شب، شب معراج کے نام سے مشہور ہے، اس رات میں خاص طریقے پر خاص تعداد میں

نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں، ان کو "صلوٰۃ الرغائب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس شب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شب کو معراج پر تشریف لے گئے تھے، پہلی بات تو یہ کہ واقعہ معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے، کسی نے بھی تعیین کے ساتھ نہیں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ستائیس رجب کی شب کو پیش آیا ہے، بالفرض والمحال اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر قرآن وحدیث اور صحابہؓ وتابعینؒ میں سے اس رات میں اس مخصوص عبادت کے بارے میں کہیں بھی منقول نہیں ہے بلکہ محدثین اور فقہاء نے اس کی بھرپور تردید فرمائی ہے۔

علامہ محی الدین امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: 27 رجب اور شعبان کی پندرہویں رات کی مخصوص نمازیں سنت نہیں، بلکہ ناجائز اور بدعت ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "اس شب کے لیے خصوصی نوافل کا اہتمام کہیں ثابت نہیں، نہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، نہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے کیا۔ علامہ حلبی تلمیذ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے غنیۃ المستملی، ص: 411 میں، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے الجر الرائق شرح کنز الدقائق، ج: 2، ص: 56، میں، علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح، ص: 22 میں، اس رواج پر نکیر فرمائی ہے اور اس کے متعلق جو فضائل نقل کرتے ہیں ان کو رد کیا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: 3/ 284، ادارہ الفاروق کراچی)

27 رجب کا روزہ:

عوام الناس میں ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا سمجھا جاتا ہے اور وہ ستائیس رجب کو روزہ رکھنے کا ثواب ایک ہزار روزہ کے برابر سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس روزہ کو "ہزاری روزہ" کہتے ہیں، مگر یہ فضیلت ثابت نہیں، کیونکہ اکثر روایات اس بارے میں موضوع ہیں اور بعض جو موضوع نہیں وہ بھی بہت زیادہ ضعیف ہیں، اس لیے اس دن کے روزہ کو زیادہ ثواب کا باعث یا اس دن کے روزہ کے متعلق سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے علماء کرام نے اپنی تصانیف میں اس کی بہت تردید کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تبیین العجب بما ورد في فضل رجب" کے نام سے اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے رجب سے متعلق پائی جانے والی تمام ضعیف اور موضوع روایات پر محدثانہ کلام کرتے ہوئے سب کو باطل قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ رجب کے مہینے میں "تبارک" اور 27 رجب کو روزہ رکھنے کے متعلق فرماتے ہیں: "اس امر کا التزام نادرست اور بدعت ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ، ص: 148)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ماہ رجب میں تاریخ مذکورہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت پر بعض روایات وار دہوئی ہیں، لیکن وہ روایات محدثین کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "ما ثبت بالسنۃ" میں ذکر کیا ہے۔ بعض بہت ضعیف ہیں اور بعض موضوع (من گھڑت) ہیں"۔ (فتاویٰ محمودیہ، 3/281، ادارہ الفاروق کراچی)

رجب کی روٹی:

رجب المرجب کا مہینہ جب آتا ہے تو کچھ لوگ جمعہ کے دن میٹھی روٹی پکاتے ہیں اور اکتالیس مرتبہ سورہ ملک پڑھتے ہیں، اس کو "تبارک" کہتے ہیں اور روٹی کو میت کی طرف سے فدیہ صدقہ خیرات سمجھ کر تقسیم کرتے ہیں شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، رجب کی روٹی کے بارے میں مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ فقہا و محدثین کی کتب سے بلکہ من گھڑت ہے، ایسی چیز کو شریعت میں بدعت کہتے ہیں، اس کا ترک کرنا واجب ہے۔"

(فتاویٰ محمودیہ: 3/282، ادارہ الفاروق کراچی)

ان مذکورہ بالا تمام باتوں کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی اصل کی جانب لوٹ آئیں اور بدعات وخرافات سے تائب ہو کر فرائض، واجبات اور سنن کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔ اس سے پہلے جتنی بھی خرافات کی ہیں اس کی اللہ تعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر معافی مانگیں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کریں، اللہ ہم سب کو اس توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

راہِ حق قسط (۴)

مولانا فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

گنگا سے زمزم تک

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی کشٹاپوری رحمہ اللہ ریاست تلنگانہ کے مؤقر عالمِ دین، دارالعلوم حیدرآباد اور مدرسہ فیض القرآن کشٹاپور کے مایہ ناز مدرس اور ناظم تھے، اُن کا خاندانی پس منظر اور اس کی تفصیلات خود حضرت مولانا رحمہ اللہ نے املا کروادی تھی، مولانا عرفات اعجاز اعظمی صاحب نے اس کو مرتب اور مہذب کردیا ہے، بڑی دلچسپ روداد اور عبرت خیز داستان ہے، افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از مرتب غفرلہٗ

کچھ عرصے بعد والد صاحب نے بڑے بھائی صدیق صاحب کو تعلیم و تربیت کی غرض سے حضرت کے پاس پہنچادیا، اور وہ وہیں پر رہنے لگے۔ سال ڈیڑھ سال کے بعد مجھے بھی حضرت سے اجازت لے کر حضرت کے پاس بھیج دیا، تاکہ دونوں بھائیوں کی عمدہ تعلیم اور حضرت کی خدمت میں رہ کر درست تربیت ہو سکے۔ میں اور بڑے بھائی ایک زمانے تک حضرت کے گھر ایسے رہے جیسے کہ وہ حضرت کے بڑے بیٹے اور میں چھوٹا بیٹا ہوں۔ حضرت اس وقت لاولد تھے، جس وقت بڑے بھائی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اس کے پانچ چھ مہینے کے بعد حضرت کی صاحبزادی خیرالنسا بیگم کی ولادت ہوئی، جو اب جناب رحیم الدین انصاری صاحب معتمد جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، چیرمین اردو اکیڈمی آندھراپردیش کی اہلیہ ہیں۔ پھر دو سال کے بعد اللہ نے حضرت کو ایک بیٹا عطا فرمایا، جن کا نام حسام الدین ثانی عرف جعفر پاشا ہے۔ الحمدللہ ان دونوں بچوں کو ہم لوگوں نے اپنی گود میں کھلایا ہے۔

حضرت کی محبت و شفقت کا کیا کہنا، حضرت کی اہلیہ پیرانی ماں صاحبہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ ایسے ہی پیش آتی تھیں جیسے ایک ماں اپنے بچوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اسی انداز سے ہماری پرورش اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ چلتا رہا۔ جب ہم کچھ بڑے ہوئے تو والد صاحب کو احساس ہوا کہ جس مذہب کو ہم لوگوں نے قبول کیا ہے، اس کی تعلیمات سے میری اولاد نابلد نہ رہ جائے، انھیں اسلامی تعلیمات دلانا ضروری ہے۔ اس وقت بڑے بھائی اردو شریف ہائی اسکول مٹی کے شیر کے پاس میٹرک کی تکمیل کر رہے تھے اور میں عالی جاہ کوٹلہ میں ایک ہائی اسکول میں تھا، جس میں تیسری جماعت میں تیلگو میڈیم سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ والد صاحب کی رائے

ہوئی کہ اسکول کی تعلیم منقطع کر کے دینی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ چوں کہ مجھ سے بڑے بھائی ہم بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اس لیے اسکولی تعلیم کے انقطاع کے بعد ان پر گھریلو ذمہ داریاں آگئیں اور وہ زراعت وکاروبار میں والد صاحب کی معاونت کرنے لگے۔ اس لحاظ سے ان کو دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، البتہ مجھ کو اس راہ پر ڈال دیا گیا۔

اسی زمانہ میں سکندرآباد اور بارکس میں تبلیغی اجتماع ہوا تھا، جس میں والد صاحب اپنے رفیق دیرینہ اور محسن، خواجہ صاحب کے بھائی جناب شمس الدین صاحب کے ساتھ شریک ہوئے، اس اجتماع میں غالباً حضرت مولانا یوسف صاحب بھی تشریف لائے تھے، جن سے والد صاحب بہت متأثر ہوئے، تشکیل میں دونوں حضرات نے چار مہینہ لکھوالیا اور وہیں سے نظام الدین پہنچے، مختلف علاقوں میں رہ کر وقت پورا کیا، اور خاصا وقت نظام الدین میں بھی گزارا، اس کے بعد والد صاحب متعدد بار جماعت میں گئے، اتر پردیش کے بڑے بڑے علاقوں میں مثلاً دیوبند، سہارن پور وغیرہ بھی جانا ہوا۔ اس وقت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب بقید حیات تھے، ان کی خدمت میں بھی حاضری دی، شیخ کے مدرسہ کو بھی گھوم پھر کر دیکھا، وہاں کے نظم ونسق اور تعلیم وتربیت کا مشاہدہ کیا، بہت خوش ہوئے اور دل میں ٹھان لیا کہ اپنے بچوں کو بھی دینی تعلیم کے لیے یہیں بھیجوں گا۔ حضرت شیخ کے پاس جب دوبارہ حاضری کی سعادت ملی تو اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت شیخ نے ایک چھوٹی سی تحریر لکھ کر دی کہ ''آپ اپنے بچوں کو لے کر آجائیں، ان کا داخلہ ہوجائے گا۔'' ہماری بدقسمتی کہ وہ تحریر اب ہمارے پاس نہیں ہے، کہیں کھوگئی ہے۔ اس تحریر کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

والد صاحب وہ تحریر لے کر واپس لوٹے اور ہم لوگوں کو سہارن پور بھیجنے کا ارادہ کرلیا تھا، مگر پھر وہاں کی سردی، گرمی اور غذا کی وجہ سے یہ ارادہ معرض التوا میں پڑ گیا کہ شاید بچے وہاں کے موسم کی سختی اور غذا کو برداشت نہ کرسکیں، اور وطن سے قریب ہی مغل گدہ قصبے میں ایک ادارہ جو حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب کی سرپرستی میں چل رہا تھا، اس میں داخل کردیا، جس کا نام ''دارالعلوم مختتم علمائے دکن'' تھا، اس ادارے کے بانی حضرت مولانا خواجہ شریف صاحب تھے، یہ ادارہ قصبہ میں صوفی صاحب کے گھر سے لگا ہوا تھا، صوفی صاحب بڑے اللہ والے نیک، اور وقت کے پیر طریقت تھے۔ حضرت سرکاری ٹیچر تھے، ان کے تدین وتقوی اور للّٰہیت کا کافی شہرہ والد صاحب نے سن رکھا تھا اور متعدد باران کے بیانات میں بھی شریک ہوئے تھے اور متأثر بھی ہوئے تھے، جب والد صاحب کو معلوم ہوا کہ مذکورہ ادارہ انھیں کی زیر سرپرستی ہے تو مجھ کو اور مجھ سے چھوٹی بہن اور بھائی کو وہاں ابتدائی تعلیم کے لیے داخل کردیا۔

ہم لوگوں کی تعلیم جاری ہی تھی کہ اچانک مدرسہ نظامیہ والوں نے حضرت خواجہ شریف صاحب سے مطالبہ شروع کردیا کہ ''وہ بحیثیت مدرس مدرسہ نظامیہ میں خدمات انجام دیں۔'' اس وقت نظامیہ کے شیخ الجامعہ مولانا حمید اللہ صاحب حیات تھے۔ مولانا حمید اللہ صاحب، حضرت خواجہ شریف صاحب کے استاذ تھے۔ استاذ شاگرد میں باہم بہت انس ومحبت تھی۔ مجبوراً حضرت خواجہ شریف صاحب کو یہاں سے جانا پڑا۔ چوں کہ مولانا ہی مدرسہ کے سب کچھ تھے، اس لیے نظامیہ جانے سے قبل مدرسہ کو موقوف کردیا اور جتنے بڑے طلبہ تھے سب کو اپنے ساتھ نظامیہ لے کر گئے اور وہیں داخل کردیا۔

جامعہ نظامیہ میں میں نے دو سال ششم اور ہفتم کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران اکثر والد صاحب مہینے دو مہینے میں میری دیکھ بھال کے لیے مدرسہ آیا کرتے تھے اور کچھ وقت مدرسہ میں گزارتے تھے۔ جامعہ نظامیہ کے ماحول اور تعلیم سے والد صاحب مطمئن نہیں تھے، اس لیے دو سال کے بعد حضرت قبلہ صوفی غلام محمد صاحب سے مشورہ کرکے مجھے وہاں سے بلا لیا اور لاتور ضلع عثمان آباد مہاراشٹر کے ایک مدرسہ ''مدرسہ مصباح العلوم'' میں داخل کردیا، جس کے بانی مولانا عبدالغفور صاحب قریشی خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تھے، میرے ساتھ چھوٹے بھائی جناب ابراہیم بھی اسی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ وہاں کی تعلیم مکمل کرکے ہم نے شمالی ہند دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، دیوبند کے اس سفر میں قبلہ صوفی صاحب کے تین صاحبزادے مولانا کمال الرحمٰن صاحب، مولانا شاہ جمال الرحمٰن صاحب، مولانا شاہ نوال الرحمٰن صاحب، مولانا مطیع الرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ سراج العلوم محبوب نگر، احقر اور احقر کے چھوٹے بھائی جناب ابراہیم صاحب تھے۔ ہمارے اس قافلہ کے امیر مولانا عبدالجبار صاحب مندلی تھے۔ دارالعلوم میں ہمارا داخلہ بآسانی ہوگیا، مگر کھانے کی سہولت ہم لوگوں کو نہیں مل سکی، کیوں کہ ہماری کامیابی کا تناسب وہ نہیں تھا جس پر مدرسہ کھانے اور تعلیم دونوں کی سہولت دیتا ہے، اس لیے ہم کو صرف تعلیم کی سہولت مل سکی، یہ صورت حال ہمارے لیے خاصی پریشان کن تھی، مگر خدا کی مدد ہوئی اور مولانا عبدالوحید صاحب حیدرآبادی کی صورت میں ہم کو ایک خضر راہ مل گیا۔ مولانا عبدالوحید صاحب مولانا وحید الزماں صاحب کے خاص شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، دارالعلوم دیوبند میں ان کا شمار جید طلبہ میں ہوتا تھا، امتحانات میں ہمیشہ اول درجہ سے کامیاب ہوتے تھے۔ انھوں نے ہم لوگوں کو مشورہ دیا کہ یہاں سے تیس، پینتیس کلومیٹر پر ایک جگہ جلال آباد ہے، وہاں ایک بڑے بزرگ حضرت تھانوی کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب ہیں جو مدرسہ مفتاح العلوم کے نام سے ایک ادارہ چلاتے ہیں، وہاں آپ لوگ چلے جائیں، وہاں داخلہ بھی ہوجائے گا اور ہر طرح کی سہولت بھی ملے گی، اور سب سے بڑی بات، تعلیم کے

ساتھ ساتھ عمدہ تربیت اور اللہ والے کی صحبت بھی میسر ہوگی، چنانچہ ہم لوگ جلال آباد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیگر طلبہ کے ساتھ درخواست دی۔ ہمارے ساتھ درخواست دینے والے سارے طلبہ کا حضرت نے داخلہ منظور فرمالیا اور ہمارے ساتھی مولانا مطیع الرحمٰن صاحب کی بھی درخواست منظور ہوگئی، میری، مولانا شاہ جمال الرحمٰن صاحب اور شاہ مولانا نوال الرحمٰن صاحب کی درخواست کو روک لیا۔ تقریباً آٹھ دن کے بعد ہم تینوں کو حضرت نے بلایا اور فرمایا کہ "دیکھو! اللہ ایک ہے، میں بھی ایک اور تم لوگ بھی ایک ہو۔ سچ بتاؤ! تم لوگوں کا کہاں سے فارغ ہونے کا ارادہ ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سال دو سال یہاں پڑھے پھر فراغت کے لیے کہیں اور چلے گئے؟" حضرت کا سوال سن کر بے اختیار بیک زبان ہم تینوں نے کہا کہ "نہیں حضرت! ہم لوگوں کا یہیں سے فارغ ہونے کا ارادہ ہے۔" حضرت نے ہمارا جواب سن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور داخلہ منظور فرمالیا۔ پانچ سال کا عرصہ ہم نے جلال آباد میں گزارا، اور حدیث شریف کی تکمیل کے بعد ہم لوگ مستقلاً وطن آ گئے۔

جلال آباد سے واپسی پر میں کنٹھا پور اترنے کے بجائے سیدھے حضرت مولانا عاقل صاحب کے گھر گیا، حضرت پیرانی ماں صاحبہ بے حد خوش ہوئیں، میری پیشانی کو چوما، حضرت نے مجھے گلے لگایا اور ازحد خوشی کا اظہار فرمایا۔ ایک روز حضرت پیرانی صاحبہ نے حضرت سے کہا کہ "کل ہفتہ کی مجلس ہے، فاروق فارغ ہو کر آیا ہے، اس کی گل پوشی ہونی چاہیے، میں خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے شال تیار کروں گی، آپ مجلس میں اوڑھا دیجیے گا۔" حضرت نے پیرانی ماں صاحبہ کی اس بات پر صاد کیا اور دوسرے دن حضرت نے مجلس میں اپنے ہاتھوں سے ایک کرتہ عنایت فرمایا اور پیرانی صاحبہ کے ہاتھوں سے تیار کی ہوئی شال اوڑھائی، پھر پھول پہنائے مزید عطر کی شیشی، مٹھائی کا ایک ڈبہ عنایت فرمایا اور گلے سے لگا کر خوب خوب دعاؤں اور محبتوں سے نوازا۔ تمام اہل مجلس نے میری اس خوش بختی پر مجھے مبارک باد دی۔

رسمی طالب علمی ختم ہوئی، عملی زندگی میں قدم رکھنے کا وقت آ گیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نے پوچھا کہ "اب کیا کرو گے؟ کیا ارادہ ہے؟" میں نے کہا "والد، والدہ اور گھر والوں سے ملاقات کے لیے گھر جانے کو سوچ رہا ہوں۔" حضرت نے فرمایا کہ "مناسب سمجھو تو گھر جانے سے قبل مدرسہ رحمانیہ تالاب کٹھ میں معلمی کا کام شروع کر دو، ہفتہ دس دن بعد وہاں سے گھر چلے جانا۔" میں نے عرض کیا "حضرت! وطن جانے کو طبیعت بہت چاہ رہی ہے، وہاں آٹھ دس دن رہ کر واپس مدرسہ رحمانیہ آ جاؤں گا۔" حضرت نے میری درخواست قبول کی اور وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (جاری۔۔۔۔۔)

فقہ وفتاویٰ

پاکی ناپاکی سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

ناپاکی کی حالت میں ناخن کاٹنا

سوال: ناپاکی کی حالت میں ناخن کاٹنا کیسا ہے؟

جواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ حالتِ جنابت (ناپاکی) میں ناخن بال کاٹنا مکروہ اور خلاف ادب ہے اس لئے پاکی کی حالت میں ہی ناخن وغیرہ کاٹنے کا اہتمام کریں۔(ھندیہ ۵/۳۵۸)

موبائل اسکرین پر بلا وضو قرآن مجید کو چھونے کا حکم

سوال: موبائیل کی اسکرین پر قرآنی آیت ہو تو کیا بلا وضو اس اسکرین کو چھو سکتے ہیں؟

جواب: جب اسکرین پر قرآن نمایاں ہو تو اس اسکرین کو چھونا جائز نہیں۔(مستفاد از کتاب النوازل ۳/۱۰۸)

غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا

سوال: کیا غسل کے وضو سے نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا غسل کے بعد دوبارہ الگ سے وضو کرنا ضروری ہے؟

جواب: غسل سے کامل طہارت حاصل ہو جاتی ہے لہذا غسل کے بعد نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(کتاب النوازل ۳/۱۰۵)

مسواک کا نعم البدل

سوال: دانتوں کی صفائی کے لئے استعمال ہونے والے برش اور پاوڈر وغیرہ کیا ثواب کے اعتبار سے مسواک کا نعم البدل ہیں؟

جواب: اگر مسواک موجود ہے اس کے باوجود ٹوتھ برش کا استعمال کیا گیا تو اس سے سنت مسواک ادا نہ ہوگی لیکن اگر مسواک دستیاب نہیں ہے جس کی بنا پر دانت کی صفائی کے لئے ٹوتھ برش استعمال کیا جارہا ہے تو یہ

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

مسواک کے قائم مقام ہوجائے گا۔(کتاب المسائل ۱/ ۱۵۷)

ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال: وہ کنواں جس میں بچہ نے پیشاب کردیا اس کو پاک کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: کنویں میں بچہ کے پیشاب کردینے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے، کنواں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے اگر کنواں چشمہ دار ہے تو پانی نکالتے وقت کنویں میں جتنا پانی ہے اس کے بقدر نکالنا ضروری ہے۔

(کتاب النوازل: ۳/ ۷۰)

بے نمازی کے جھوٹے کا حکم

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ بے نمازی کا جھوٹا خنزیر کی طرح ناپاک ہے اور اس کو کھانا حرام ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: نماز کا چھوڑنا سخت گناہ ہے لیکن اس کی وجہ سے بے نمازی کے جھوٹے کو خنزیر کے جھوٹے سے بدتر کہنا اور اس کے جھوٹے کو حرام کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے اس لئے کہ انسان کا جھوٹا بہر حال پاک ہے خواہ وہ بے نمازی حتیٰ کہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔(کتاب النوازل ۳/ ۶۳)

واشنگ مشین میں ناپاک کپڑے دھونے کا حکم

سوال: کپڑے دھونے والی مشن کا تین مرتبہ سے کم دھلا کپڑا پاک اور قابل نماز سمجھا جائے گا یا نہیں؟

جواب: دھونے سے اگر نجاست زائل ہوگئی اور کپڑے سے صاف پانی نکلنے لگا تو کپڑا شرعاً پاک ہوجائے گا اگرچہ اُسے تین بار نچوڑا نہ گیا ہو پھر بھی بہتر ہے کہ اطمینان قلب کے لئے تین مرتبہ مشین میں نچوڑ دیا جائے۔

(کتاب النوازل ۳/ ۳۹)

نمازِ فجر کا وقت

سوال: فجر کا وقت کب سے شروع ہوکر کب ختم ہوتا ہے؟ اور اس کا مستحب وقت کیا ہے؟

جواب: فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے البتہ فجر کی نماز اسفار (خوب روشنی) کرکے پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ نماز فاسد ہونے کی صورت میں مسنون طریقہ سے اعادۂ صلوۃ کی گنجائش نہ رہے، لہذا طلوع آفتاب سے کم از کم ۲۵۔ ۳۰ منٹ قبل نماز فجر شروع کرنی چاہئے۔

(کتاب النوازل ۳/ ۲۱۶)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ کینڈا کی مسجد میں فائرنگ کے ملزم کو ۴۰ سال قید کی سزا۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۰؍فروری ۱۹ء)

✷ فرانس کے اسکول احاطہ میں طالبہ کے نماز ادا کرنے پر سزا، کلاس سے باہر کردیا گیا، نماز مسجد ہی میں ادا کرنا چاہئے، وزیر تعلیم کا بیان۔ (روزنامہ سیاست، ۱۱؍فروری ۱۹ء)

✷ فلسطین کو مالی امداد روک دینے عرب ممالک پر امریکی دباؤ۔ (روزنامہ منصف، ۱۲؍فروری ۱۹ء)

✷ آزاد ریاست کے قیام کے لئے فلسطینیوں کے ساتھ کھڑے ہیں؛ شاہ سلمان۔

(روزنامہ سیاست، ۱۳؍فروری ۱۹ء)

✷ سعودی عرب بنا ہچکچاہٹ یوم عاشقاں منائے گا۔ (روزنامہ سیاست، ۱۵؍فروری ۱۹ء)

✷ جنگ کے باعث ہر سال دنیا بھر میں ایک لاکھ بچوں کی ہلاکت، عالمی تنظیم ''سیو دی چلڈرن'' کی رپورٹ (روزنامہ سیاست، ۱۸؍فروری ۱۹ء)

✷ اسرائیل کا فلسطینی اتھاریٹی کو واجب الاداء ۱۳ کروڑ ۸۰ لاکھ ڈالرس روکنے کا فیصلہ۔

(روزنامہ سیاست، ۱۹؍فروری ۱۹ء)

✷ اسرائیل کے فلسطینی بچوں پر مہلک ہتھیاروں کے تجربات کا انکشاف۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍فروری ۱۹ء)

✷ بنگلہ دیش میں ۲ ہزار فحش اور گیمبلنگ ویب سائٹس پر پابندی (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍فروری ۱۹ء)

✷ بیت المقدس کو یہودیانے کے لئے ۵۵ ملین ڈالر کی رقم مختص۔ (روزنامہ اعتماد: ۲۰؍فروری ۱۹ء)

✷ افغان جنگ میں ۲۰۱۸ء شہریوں کے لئے خونریز ترین سال؛ رپوٹ۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۵؍فروری ۱۹ء)

✷ طیب اردگان کے مصر میں پھانسیوں پر صدر سیسی کی مذمت کی۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۵؍فروری ۱۹ء)

✷ انسانی المیہ کا شکار یمن، اور امدادی کارکنوں کی بے بسی۔ (روزنامہ سیاست، ۱؍مارچ ۱۹ء)